رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۸۷

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے شائع ہوا

مجلد دہم	ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۲۲ء	عدد اول

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

اسوۂ صحابہ کی دوسری جلد جس مین صحابۂ کرام کے سیاسی، مذہبی اور علمی کارنامے درج ہین عنقریب چھپکر شائع ہوجائیگی، رقعات عالمگیر کی تدوین وترتیب کا کام جاری ہے تمام مواد جمع ہوگیا ہے، صرف شاہجہان کے نام کے خطوط تقریبًا دو سو صفحون مین ہونگے، سیرت نبوی جلد سوم کی کتابت شروع ہوگئی ہے، یہ جلد تمامتر معجزات اور کیفیات نبوی پر ہے،

گذشتہ ماہ جون مین مشہور ہند دیونیورسٹی کے بانی اور ہندی کو ہندوستان کی عالمگیر زبان بنانے کے پرزور محرک جناب پنڈت مدن موہن مالویہ صاحب نے دار المصنفین کو مشرف فرمایا، دیر تک وہ کتبخانہ کو، دفتر کو، پریس کو، رفقار کے رہنے کے کمرون کو دیکھتے رہے اور زبان کے مسئلہ پر بعض ارکان دار المصنفین سے گفتگو کرتے رہے ہمکو اس سے خوشی ہوئی کہ موصوف نے دار المصنفین کو رشک کی نظرون سے دیکھا اور پھر بھی پسند کیا،

جناب شاہ منیر عالم صاحب منصف ورئیس غازیپور جو شہر مذکور کے ایک ممتاز خاندان سے ہین ایک خط مین لکھتے ہین کہ اونکے پاس دیوان حافظ کا ایک عجیب وغریب نسخہ ہے، یہ نسخہ دربار اکبری کے شاعر فیضی کے دست خاص کا لکھا ہوا بیان کیا جاتا ہے، اسکے دیباچہ مین مذکور ہے کہ ملا آقا ایک بزرگ، بادشاہ کی طرف سے متعین کئے گئے تھے کہ وہ حافظ کا ایک صحیح نسخہ مرتب کرین. ملا صاحب نے خود حافظ کے وطن شیراز جاکر دس برس قیام کیا اور وہان سے ایک صحیح نسخہ مرتب کرکے بادشاہ کے لیے ہندوستان لائے شاہ صاحب فرماتے ہین کہ "جن جن اصحاب نے اس نسخہ کو دیکھا ہے سب کی یہی راے ہے کہ اس سے زیادہ صحیح نسخہ دوسرا نہو گا" اگر یہ سچ ہے تو حافظ کے اشعار کے ملحقات اور بعض اشعار کے مختلف نسخون کے انتخاب مین اس سے بہترین مدد ملسکتی ہے،

اس لٹنے پر بھی ہندوستان مین کیا کیا انمول جواہر مدفون ہین، بدایون مین مولوی علی بخش صاحب مرحوم کا خاندان مشہور ہے، اس خاندان کی علمی یادگار ہمارے دوست مولوی یعقوب بخش صاحب راغب جیلانی ہین، اس خاندان کا کتب خانہ ہندوستان کے نوادر مین تھا، بہت سی چیزین وہان کی ضائع ہوگئین کچھ دوسرے کتبخانون مین منتقل ہوگئین، اب بھی جو قلمی کتابین موجود ہین اونمین سے حسب ذیل کتابین کسی نہ کسی حیثیت سے قابل ذکر ہین،

لباب التاویل خازن کا ایک عتیق نسخہ، لباب التفاسیر مکتوبۂ تمیمی صوفی الشہیر کرمان ۸۲۸ھ المتفق والمفترق (اسماء الرجال) موضوعات ابن طاہر صاحب مجمع البحار مصنف کے زمانہ کی (تاریخ کتابت ۹۵۹ھ تاریخ وفات ۹۸۶ھ) موضوعات ابن جوزی، غایۃ الوصول شرح مختصر ابن حاجب از قطب الدین شیرازی، شمائل ترمذی از کتبخانۂ شاہ قلی خان محرم (یکے از امراے اکبری) سیرت نبوی مین ایک نہایت نادر کتاب سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد للحافظ یوسف الشامی،

دنیاے اسلام کا ایک گوشہ اب دوسرے گوشہ سے جسطرح مل رہا ہے اوسکی ایک تازہ نظیر یہ ہے کہ مصر کی ظاہری آزادی کی خوشی مین تونس کے سب سے قدیم جامعۂ زیتون کے طلبہ نے، مصر کے قدیم ترین جامعۂ ازہر کے طلبہ کو اور تونس کے شاہی کالج مدرسۂ صادقیہ کے طلبہ نے مصر کے جامعۂ مصریہ کے طلبہ کو مبارکباد کے تار بھیجے ہین، اور تمنا ظاہر کی ہے کہ اوسکی یہ آزادی عربی علوم وفنون کی حیات تازہ کے لیے بھی خدا کرے آب حیات ثابت ہو،

ماہ گذشتہ مین برطانیہ کی ممتاز یونیورسٹی سینٹ اینڈریوز نے ڈاکٹر آف لاز (ال، ال، ڈی) کی اعزازی ڈگریان جن مشاہیر فن کو تقسیم فرمائین، ان مین ایک ذات مس ایلن ٹیری کی بھی تھی، جنکا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ اسوقت انگلستان کی سب سے نامور ایکٹرس ہین!،

بے شبہ، ہندوستان مین بھی "رنگیلے" محمد شاہ (دہلی) اور "جان عالم" واجد علی شاہ (لکھنو) نے اپنے اپنے زمانہ مین ارباب نشاط کی دل کھولکر سرپرستی و حوصلہ افزائی فرمائی تھی، لیکن جوہر شناسی کا یہ شرف بیسوین صدی کے ایک برطانوی دار العلم کے لیے محفوظ رہا تھا، کہ ایک ایکٹرس کو ایک اہم علمی خطاب سے سرافراز کرے، پچھلی ششماہی مین ہماری علیگڈھ مسلم یونیورسٹی نے ملک کے بعض رنگین طبع اُمراء کو علمی خطابات سے مفتخر کرنے کی جو تجویز فرمائی تھی، اُسکے لیے سینٹ اینڈریوز یونیورسٹی کے اِس طرز عمل سے زیادہ واضح و مستند سند جواز اور کہان سے ہاتھ آسکتی ہے،

برطانیہ کی علمی تاریخ مین گوہر شناسی کا تنہا یہی ایک درخشان واقعہ نہین۔ موجودہ صدی کے آغاز مین جب یورپ کے نامور فلسفی ہربرٹ اسپنسر کی وفات ہوئی، اور اسکے احباب و تلامذہ نے اُسے ویسٹ منسٹر ایبے مین دفن کرانا چاہا، جو برطانیہ کے مشاہیر فن کے لیے مخصوص و محفوظ گورستان ہے، تو "مقتدر و ذی علم" متولیان گورستان کی پیشگاہ سے کسی طرح اسکی تدفین کی اجازت نہ ملی، لیکن اسکے کچھ ہی عرصہ کے بعد جب ایک مشہور ایکٹر ہنری اِرونگ کی وفات ہوئی، تو انہین حکام گورستان نے اسکے حدود کے اندر اسکی نعش کو کمال تزک و احتشام دفن ہونے کی اجازت عطا فرمائی۔

ہندوستان کے ارباب نشاط و تماشا کو مژدہ ہو، کہ بعض نکتہ سنجان یورپ کی نظر دقیقہ رس مین ایکٹرون اور ایکٹرسون کی قدر و قیمت خادمان علم و فلسفہ سے کہین زائد ہے۔ اور اگر یہ ملک ابھی انکی کافی قدر نہین کرتا، تو ذرا اور صبر و انتظار سے کام لین، تا آنکہ ہندوستان تمدن و تہذیب، تعلیم و شایستگی مین یورپ کے ہم سطح ہوئے،

---

۵ مئی کو لندن مین بمقام پیلیس تھیٹر قوانین امتناع مے نوشی و مے فروشی کی مخالفت مین منعقد ہوا، دلدادگان دختِ رز کا مجمع عظیم تھا۔ صدر جلسہ مسٹر ہنری آرتھر جونس نے طویل و عریض خطبہ صدارت مین بیان فرمایا کہ

"مین چالیس سال سے ہر روز بلا ناغہ شراب پیتا رہا ہون، اور آجتک کبھی بد مست نہین ہوا ...... میرا عقیدہ ہے، کہ بقول بٹلر کے انسان کو حیوانات پر جو تفوق و امتیاز حاصل ہے، وہ الکحل ہی کے باعث ہے، ہمارے مشاہیر فن شیکسپیر، ڈکنس، ارابیلا، فیلڈنگ وغیرہ کے دماغ مین روشنی اور قلم مین روانی اِسی آتش سیال کے طفیل پیدا ہوئی ہے"۔

اسی طرح دوسرے مقررون نے بھی شراب کے مناقب و فضائل بیان کیے مے خواری کی خوبیون پر دلائل قائم کیے، اور اسکے طبی، اخلاقی، و ذہنی فوائد کو ایک ایک کرکے شمار کیا۔ ایک راویِ معتبر کا بیان ہے، کہ جسوقت وہ اخبار مین اس مے پرست جلسہ کی کارروائی پڑھ رہے تھے، پڑوس کی مسجد سے ایک خوش آواز حافظ کی یہ صدا انکے کانون مین آنے لگی، إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ۔ (نمل-۱) (جو لوگ آخرت پر ایمان نہین رکھتے، انکی نظرون مین ہم انہین کے اعمال و اشغال کو اچھا کر دکھاتے ہین، اور وہ انہین مین لگے لپٹے رہتے ہین یہی لوگ ہین جنہین عذاب شدید پیش آنا ہے، اور جنہین آخرت مین زیان کار رہنا ہے)

اُردو زبان کے تمام ہمدرد و ہوا خواہ اس خبر کو دلی مسرت کے ساتھ سُنینگے، کہ چند ماہ سے آکسفرڈ مین ہندوستان کی مشترک زبان کی خدمات کے لیے ایک انجمن بزم اُردو کے نام سے قائم ہوئی ہے، جسکے صدر ایک ہندو نوجوان ہین، جو بنارس ہندو یونیورسٹی کی جانب سے وظیفہ حاصل کرکے وہان تحقیقات علمی مین

معروف ہین۔ کیمبرج مین ایک انجمن انہین مقاصد کے ساتھ اس سے پیشتر قائم ہو چکی ہے، بلکہ اسکا الحاق بھی غالبًا ہماری انجمن ترقی اردو (اورنگ آباد) سے ہو چکا ہے۔ اسکے صدر فرنگی محل لکھنؤ کے ایک ہونہار فرزند ہین۔ دعا ہے، کہ دونون مجلسون کو خلوص وصداقت کے ساتھ خدمت زبان وقوم کی توفیق عطا ہوتی رہے،

تازہ ولایتی ڈاک سے خبر آئی ہے کہ سلطنت برطانیہ کے دار الحکومت شہر لندن مین ایک عظیم الشان وحیرت انگیز ناچ گھر تعمیر ہو رہا ہے، جو اپنے حسن وزیبائش اور سامان تنعم وآرائش کے لحاظ سے چشم فلک کو بھی خیرہ کر دیگا، درمیانی ہال ۱۶۰ فٹ طویل، ۱۰۰ فٹ عریض، اور ۳۸ فٹ بلند ہوگا، کل وسعت اتنی ہوگی، کہ ۸۰۰ جوڑین بیک وقت سرگرم رقص ہو سکینگی، اور تماشائیون کی تعداد ۳۰۰۰ تک پہنچ سکے گی۔ ستون سنگ مرمر کے ہونگے۔ رنگ وروغن، نقش ونگار مین صناعی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائیگا۔ برقی لیمپون کی تیز جگمگاہٹ سے رات پر دن کا دھوکا ہوگا۔ ایک چھت شیشہ کی ہوگی، اس پر سُرخ، سبز، و نیلگون روشنیون کا عکس پڑتا رہے گا، چالیس ماہرین فن اور آٹھ ماہرات فن کی جماعت تعلیم دینے کے لیے ہر وقت حاضر رہے گی، نازنین ونوعمر ناچنے والیان، حسن وجمال، رعنائی، نزاکت، دلبری ودلربائی مین مرتبہ کمال رکھتی ہونگی، مصارف تعمیر کا اندازہ ۱۰۵۰۰۰ پونڈ (۱۵ لاکھ ۷۵ ہزار روپیہ) کا ہے۔ ۱۹ ستمبر کو یہ عمارت مکمل ہو جائے گی،

راویان صداقت شعار وناقلان حقیقت آثار (انگریزی اخبارات کے نامہ نگارون) کا بیان ہے، کہ تیاری پر لندن کا یہ ایوان رقص، اپنی وسعت وزیبائش کے اعتبار سے، روے زمین پر یکتا وبے نظیر ہوگا، بیشک ہوگا، سُنتے ہین کہ عصر قدیم مین بھی ایک متمدن سلطنت کے فرمانروا نے ایک "جنت ارضی" تیار کرائی تھی، اور جسکے تذکرے "باغ ارم" و "بہشت شداد" کے نامون سے آج تک ادبیات مشرقی کے دفاتر

پارینہ مین محفوظ چلے آتے ہین، کاش، اگلون کے انجام سے پچھلون کو عبرت حاصل ہوتی رہتی! یہ داستان غیر تاریخی سہی، لیکن ایسی قومون کے وجود سے تو بہر حال انکار نہین ہو سکتا، جو چپہ چپہ پر اپنی یادگارین

أتبنون بكل ريع آية تعبثون و تتخذون مصانع لعلكم تخلدون (۱۱-۷)

پُرعظمت عمارتون کی شکل مین تیار کرتی تھین اور جنھین اپنی زندگی کے دوام کے ساتھ یہ بھی اعتماد تھا کہ انکے یہ قصر وایوان ہمیشہ انکا ساتھ دیتے رہینگے

یہ قومین اپنی کثرت تعداد پر، اپنے مواشیون پر، اپنی تفریح گاہون اور پارکون پر، اپنے

الذي أمدكم بما تعلمون أمدكم بأنعام وبنين وجنات وعيون (ایضًا)

جاری کیے ہوے فوارون، چشمون، اور نہرون پر، فخر وناز کرتی رہتی تھین، لیکن نتیجہ جو کچھ ہوا، وہ اوراق لیل ونہار پر درج ہے، جسے چشم بصیرت ہر وقت پڑھ سکتی ہے، ہل تحس منہم من احد او تسمع لہم رکزا۔

سال مین دو مرتبہ انگریزی حکومت کی جانب سے ہندوستان مین "خطابات" کی تقسیم ہوتی ہے، سالہا سال سے ہم پر جو غیرت شکن وغلامی آفرین نظام تعلیم وتربیت مُسلط ہے، اس نے قدرتی طور پر ان خطابات کو ہماری ایک جماعت کثیر کی نگاہون مین محبوب اور تمغاے افتخار بنا دیا ہے، مدتون پیشتر سے حصول خطاب کے لیے قلوب مضطر رہتے ہین، سیکڑون راتین اضطراب اور بیچینی کی کروٹون کے ساتھ گزرتی ہین، صدہا بار آستان حکومت پر ناصیہ فرسائی کیجاتی ہے۔ ضیافتون، رشوتون، غمازیون، وطن فروشیون، اور خدا معلوم کن کن ناقابل ذکر شکلون مین نیاز مندیان جلوہ گر ہوتی ہین، معابد مین دعائین مانگی جاتی ہین، مزارات پر منتین مانی جاتی ہین، ذی اثر احباب سے جلسون اور ضیافتون کے وعدہ کئے جاتے ہین، اور ایک والہانہ ذوق وشوق اور عاشقانہ اشتیاق وانتظار کے ساتھ سرکاری گزٹ کے

فق پر اپنے نام کے طلوع ہونیکی توقع کیجاتی ہو، اور خیر ہندستان تو ہندوستان آجکل تو دنیا کی سب سے بڑی مہذب پارلیمنٹ مین اسکے لیے ممبر دست وگریبان ہین، اور وزراء چین بجبین،

لیکن اسلام مین عزت وتکریم، سروری وسرداری، تعظیم واحترام کی اصلی مستحق صرف ایک ذات ہے، وہ ذات یکتا وبے ہمتا جسکی عظمت واجلال، بزرگی وکبریائی پر زمین وآسمان سب شہادت دے رہے ہین، ولہ الکبریاء فی السموات والارض (جاثیہ ع ۴) عزت حقیقی ساری کی ساری صرف اسی کی ہے، اِنَّ العِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیعًا (یونس) اس آفتاب کبریائی کا پرتو جب ذرات بشری پر پڑتا ہے، تو انہین بھی منور کر دیتا ہے، یہ ذرات نورانی سب سے پہلے انبیاء کرام اور انکے بعد صالحین امت ہین، جنکے قلوب نور ایمان سے لبریز ہوتے ہین، وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنفقین لا یعلمون (منافقون ۱)

اسلام سے قبل تمام دنیا اس گمراہی مین مبتلا تھی، کہ عزت کا معیار، خوش نسبی وبلند نسلی ہے، اسلام نے آتے ہی اس بت کو توڑا، اور اعلان عام کر دیا کہ بندونکی عزت ومرتبت کا اصلی معیار صرف تقرب الی اللہ یعنی تقوی وحسن عمل ہے، یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (حجرات ۲) باقی نسل وقوم، حسب ونسب، رنگ وجنس، وغیرہ کے امتیازات تو محض مصالح معاشری کی غرض سے ہین، اصل کسوٹی واحد ہے، اسی منشور ازل مین اسکی منادی کر دی گئی، کہ اگر حصول عزت کی خواہش ہے، تو یاد رہے، کہ عزت تو صرف کریم من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ جمیعا، الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ (فاطر ۲) مطلق کی ہے، اسکی درگاہ تک بندونکی اچھی باتین ہی پہنچتی ہین، اور عمل صالح ہی بلند کرتا ہے،

جس خاک کے پتلے کو اس آستانہ سے عزت نصیب نہین ہوئی، اُسے دنیا کا کوئی اعزاز، کوئی خطاب قیامت تک سربلند نہین کر سکتا، ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم (حج ۲)

جو محروم نصیب بندہ اس سرچشمۂ عظمت وکبریائی کو چھوڑ کر اغیار کے آستانون پر ناصیہ سائی کرتے، اور انسے طالب عزت رہتے ہین انہین بشر المنفقین بان لھم عذابا الیما الذین یتخذون الکفرین اولیاء من دون المومنین ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا (نساء ۲۰) منافقین قرار دیا گیا ہے، اور انکے حق مین شدید عذاب الہی کی وعید وارد ہوئی ہے،

خدا ہر کلمہ گو کو عذاب منافقت سے محفوظ رکھے، اور عزت کا مفہوم صحیح سمجھنے کی توفیق نصیب کرے،

ہندوستان مین "بیکاری" کا مرض جس کثرت کے ساتھ پھیلا ہوا ہے، اور ملازمت کی حرص جس شدت سے پائی جاتی ہے، اسکا تجربہ ہر شخص کو اپنی جگہ پر ہے، مولنا حالی نے بھی مدت ہوئی اسی قصہ کو ایک شعر مین نظم کیا تھا،

ہوتی مشرق مین ہے گر ایک اسامی خالی — قافلے ہوتے ہین مغرب سے اسی دم راہی

فاقہ ونیم جاہل ہندوستان کا یہ "ندیدہ پن" ہمیشہ قابل مضحکہ خیال کیا گیا، لیکن کم لوگون کو معلوم ہوگا، کہ یہ وبا بھی تمدن جدید ہی کے طفیل ہندوستان مین پھیلی ہے، اور اسکی مولد بھی وہی سرزمین ہے، جو تہذیب وشائستگی کی مولد ہے۔ ابھی چند روز کا ذکر ہے، کہ مرکز تمدن وتعلیم شہر لندن مین ایک "دھوبی خانہ" کے مالک نے "ٹائمس" مین اپنے کارخانہ کے لیے ایک ٹیلیفون ماسٹر (ہندوستان کی اصطلاح مین "تار بابو") کی بابت، ڈھائی سو پونڈ سالانہ کے مشاہرہ کے ساتھ اشتہار دیا، جو انگلستان کے معیار سے بہت ہی معمولی درجہ کی رقم ہے۔ اشتہار دیتے ہی درخواستون کا انبار لگنا شروع ہوگیا، جنکی تعداد بالآخر آٹھ سو تک پہنچ گئی۔ جگہ صرف ایک تھی، اور خواستگار آٹھ سو کی تعداد مین تھے! اور ان مین ہر قسم کی اعلیٰ قابلیتون کے افراد (ذکور واناث) شامل تھے! مالک کارخانہ نے اس انبوہ عظیم سے آٹھ گریجویٹ امیدوارون کا انتخاب کیا، اور ان مین امتحان مقابلہ کے بعد، بالآخر دو گریجویٹ خاتونون کو دو عہدہ پر ملازم کر لیا۔ ان مین سے ایک صاحبہ لیورپول یونیورسٹی کی گریجویٹ ہین، دوسری مانچسٹر یونیورسٹی کی، ہندوستان کے گریجویٹ، بفضل خدا ابھی تک "گھر" اور "گھاٹ" دونون سے نا آشنا نہین ہوئے ہین،

سُنتے ہین، مسلمانون کو بھی اپنے اسراف کا احساس ہو چلا ہے، اور علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے مصارف کی تنقید کرنے، اور ان مین کفایت پیدا کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے! خدا معلوم اس روایت کی کہان تک اصلیت ہے، کہ کمیٹی کے اکثر ارکان ازراہ انکسار یہ شعر ورد زبان رکھتے ہین ؎

ہے آرزو کہ ابروے پُرخم کو دیکھئے ❋ اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

مقالات

فلسفہ جدیدہ
کا
نقطہ آغاز

از پروفیسر عبد الباری ندوی

انسان کے پاس اظہار مدعا اور افہام وتفہیم کا واحد آلہ زبان ہے، لیکن دنیا مین آرار وخیالات کا جو عظیم الشان اختلاف پیدا ہے، اس کا ایک بڑا سبب تعبیر مطلب کا یہی واحد آلہ ہے آدمی بعض اوقات مخاطب کو روزمرہ کی معمولی باتین تک سمجھانے مین اپنے کو قاصر پاتا ہے اور الفاظ سے دلی مدعا کا حق نہین ادا ہوتا۔ پھر جہان یہ الفاظ ایک زبان سے دوسری اور تیسری تک پہنچے، اور ایک کے ضمیر کی تعبیر دوسرے نے کی، تو بمشکل ہی کبھی اصل متکلم کا مافی الضمیر صحت کے ساتھ ادا ہوجاتا ہے،

زبان ولغت کا یہ نقص سب سے زیادہ برہنگی کے ساتھ فلسفہ والٰہیات مین نظر آتا ہے جہان کبھی کبھی یہ بدگمانی ہونے لگتی ہے، کہ فلسفیانہ مسائل تمامتر لفظون کا گورکھ دہندا ہین، بات یہ ہے، کہ فلسفہ کے مباحث اپنی غایت نزاکت وتجرید کی وجہ سے بہ مقابلہ عامیانہ خیالات کے الفاظ کا تحمل اور بھی کم کرسکتے ہین، اسلیے کسی فلسفی کے افکار ونظریات کی تعبیر مین جسقدر کم اس کے الفاظ سے ہٹنا پڑے، اتنا ہی زیادہ بہتر ہوگا،

اس بنا پر جی یہ چاہتا تھا، کہ اُردو مین فلاسفہ مغرب کی اگر برکلے کی طرح پہلے تا بامکان بلفظہٖ ترجمانی ہوجاتی، تو پھر آئندہ انکی تفسیر مین "بما لا یرضی بہ قائلہ" کا اندیشہ نسبتہً کم رہ جاتا، برکلے کے بعد ہیوم کے متعلق اس خدمت سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کی گئی ہے، جو امید ہے، کہ کسی قریب ہی مستقبل مین لباس طباعت کے ساتھ پیش ہوسکے۔ مگر ظاہر ہے کہ تمام فلاسفہ کے ساتھ اس اعتنا واہتمام کا قائم رکھنا کسی شخص واحد کے بس کی بات نہین۔ کسی اور طرف سے کوئی صدائے بازگشت اٹھتی نظر نہین آتی ہے، خصوصًا موجودہ حالات مین مسلمانون کو اُردو وغیرہ کی طرف توجہ کی کہان فرصت! بعض زاویون مین جو کچھ ہورہا ہے، وہی ہوتا رہے، تو غنیمت ہے۔

بہرکیف اپنی "سعی لاحاصل" کی لذت کو قائم رکھنے کا ایک راستہ یہ نظر آیا ہے، کہ اگر کلیۃً نہین ممکن تو کم از کم جزئیۃً ہی سہی اساطین فلاسفہ کا ایک اجمالی مرقع سامنے آجائے ذیل کے صفحات کو اسی سلسلہ کی پہلی قسط سمجھیے،

اس سلسلہ مین بھی یہ اہتمام پوری طرح نظر ہے کہ صرف شارحین ومورخین فلسفہ کی شرح وتعبیر پر اعتماد کرنے کی جگہ فلاسفہ کی اصل کتابون کو پڑھکر مغز سخن نکال لیا جائے، اور جہان تک ہوسکے خیالات کے ساتھ ان کے اسلوب بیان وطرز استدلال کو بھی اصلی حالت مین محفوظ رکھا جائے،

اور چونکہ اس سلسلہ کی غرض اختصار کے ساتھ فلاسفہ کے صرف اصولی افکار و خیالات کی نمائندگی ہے، اسلیے ان کی تنقید وتصحیح سے بالکل تعرض نہین کیا گیا ہے، کہ اولًا تو اس سے ذہن منتشر ہوکر اصل خیالات پر پوری طرح متوجہ نہین رہسکتا، ثانیًا چونکہ بعد مین آنیوالے فلاسفہ کے افکار بڑی حد تک اپنے متقدمین کی تصحیح وتنقید ہی پر مبنی ہوتے ہین لہذا متاخرین کی ترجمانی سے متقدمین کی تنقید از خود ہوتی جائیگی،

یہ روزمرہ کا ایک محسوس ومشاہد واقعہ ہے، کہ آفتاب مشرق سے حرکت کرکے مغرب مین

ڈوب جاتا ہے، لیکن تحقیق سے پتہ چلا، کہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ دراصل آفتاب نہین، بلکہ وہ زمین حرکت کر رہی ہے، جس کو ہم ساکن محسوس کرتے ہین۔ اور آفتاب کی حرکت محض ایک فریبِ حواس ہے۔ اسی طرح بظاہر نفس و روح یا ذہن و ذات کے مقابلہ مین جسم و مادہ یا خارج و ماسوی الذات کا وجود زیادہ مستقل زیادہ حقیقی اور زیادہ یقینی معلوم ہوتا ہے، حتی کہ فلسفہ بھی کم و بیش ڈہائی ہزار سال تک، زیادہ تر، ماسوی الذات ہی کے اندر حقیقت جوئی کیلیے سرگردانی کرتا رہا،

لیکن بالآخر دنیائے فلسفہ نے بھی ایک کوپرنیکس[1] پیدا کیا، جس نے مرکزِ فلسفہ کو اسی طرح بدل دیا، جس طرح کوپرنیکس نے مرکزِ عالم کو بدل دیا تھا، فلسفہ کے اس کوپرنیکس کا نام ڈیکارٹ (سنہ ۱۵۹۶ء تا سنہ ۱۶۵۰ء) ہے، جس کے وطن ہونے کا فخر فرانس کو حاصل ہے، ڈیکارٹ ہی نے پہلے پہل وضاحت و تعین کے ساتھ اس حقیقت کو رونما کیا، کہ سب سے زیادہ قطعی و غیر مشتبہ وجود کائنات خارجی کا نہین، بلکہ ذہن و ذات یا نفس "انا" (مین) کا ہے،

ڈیکارٹ کے بعد سے فلسفہ کی سطح پر جتنے خطوط کھینچے گئے ہین، اُن سب کا "نقطۂ آغاز" یہی "انا" ہے، علمیات (ایپسٹمالوجی) جسکو صحیح معنے مین "فلسفۂ جدیدہ" کا لقب دیا جاسکتا ہے، اُسکے مباحث کا محور بھی انا یا نفس اور ذہن ہی ہے، یعنی اب محسوسات و معلومات کے بجائے اصلی بحث خود حس و شعور اور علم و فہم کی ہے؛

—— (۱) ——

ڈیکارٹ نے جو راہِ تحقیق اختیار کی، وہ اُس کے اصل فلسفہ سے بھی زیادہ فلسفیانہ تھی۔ حکماء و فلاسفہ کے باہمی اختلافِ آرا کا یہ حال ہے، کہ کوئی عجیب سے عجیب اور انوکھی سے انوکھی شے بھی ایسی نہین تصور کیجا سکتی، جس کا کوئی نہ کوئی فلسفی قائل نہ رہا ہو۔ ان اختلافات نے طالبِ علمی ہی کے

[1] جس نے قدیم نظامِ بطلیموسی کے خلاف ثابت کیا، کہ مرکزِ عالم زمین نہین بلکہ آفتاب ہے،

زمانہ سے ڈیکارٹ کو اسدرجہ بدگمان کر رکھا تھا، کہ اپنی رہنمائی کے لیے، اُس نے جو چار اصول قرار دیے ہین، اُن مین سب سے پہلا اور سب سے اہم اصول یہ ہے[1] کہ

(۱) کسی چیز کو اُس وقت تک ہرگز نہ قبول کرونگا جبتک وہ میرے ذہن کے لیے اسقدر واضح و غیر مشتبہ نہو کہ اُس مین شک کرنا قطعاً ناممکن ہو،

باقی تین اصول یہ ہین، کہ (۲) زیرِ تحقیق مسئلہ کے متعلق ہر اشکال کو تحلیل کرکے اُس کے جتنے اجزا ممکن ہون، اُن مین تقسیم کر دینا چاہیے (۳) بسیط سے بسیط شے سے شروع کرکے بتدریج مرکب و پیچیدہ شے کی طرف جانا چاہیے (۴) ہر مسئلہ مین ایسے احصاءِ تام سے کام لینا چاہیے، کہ اس امر کا کامل یقین ہوسکے کہ کوئی بات نظر انداز نہین ہوئی ہے،

اصولِ اول کی رعایت مین ڈیکارٹ نے اپنے شک کو صرف فلسفیانہ مسائل تک محدود نہین رکھا بلکہ اس مین اس درجہ مبالغہ کیا کہ محسوسات سے گذر کر براہینِ ریاضیہ تک کو اشتباہ کے قابل قرار دیا۔ بقول شوپنہار کے کہ "وہ تمام مسلمات کو مشکوک سمجھکر" شروع سے شروع کرنا چاہتا ہے":

"جن چیزون کو مین آج تک اعلیٰ سے اعلیٰ صداقت و یقین پر مبنی سمجھتا رہا ہون، وہ یا تو براہ راست خود حواس سے یا ان کی وساطت سے ماخوذ ہین، لیکن حواس بعض اوقات دھوکا دیتے ہین، اسلیے عقلمندی یہ ہے کہ جس شے سے ہم ایک مرتبہ دھوکا اٹھا چکے ہین، اُس پر ہم کو کامل اعتماد نہ کرنا چاہیے"

اقلیدس یا ہندسہ تک کی معمولی معمولی باتون مین بعض لوگ ٹھوکرین کھاتے اور غلط

[1] دیکھو "DISCOURSE ON METHOD & METAPHYSICAL MEDITATIONS" (منہج و افکار) صفحہ ۲۲ (مطبوعہ "اسکاٹ لائبریری")، یہی کتاب، جو دراصل "مبحث منہج" و "افکار الٰہیات" نام کی دو کتابون کا مجموعہ ہے، ڈیکارٹ کے نظامِ فلسفہ کا صحیفہ ہے، آگے زیادہ تر اسی کے حوالے آئینگے۔

قیاسات قائم کرجاتے ہین، مین خود بھی اسی طرح غلطی کرسکتا ہون، جس طرح دوسرے کرتے ہین،
لہذا مین نے تمام اُن دلائل کو غلط سمجھکر رد کردیا، جنکو پہلے براہین خیال کرکے قبول کیا تھا۔
سب سے آخری شبہہ یہ ہوتا ہے، کہ جو خیالات ہمارے ذہن مین بیداری کی حالت مین پیدا ہوتے
ہین، بعینہ وہی خواب کی حالت مین بھی پیدا ہوسکتے ہین، جب اس کے کہ ان مین سے کوئی بھی
صحیح ہو، اسلیے مین نے فرض کرلیا، کہ میرے ذہن کے تمام خیالات محض خواب کی باتین ہوسکتی ہین" (صفحہ ۳)

(۲)

لیکن ڈیکارٹ کا یہ ہمہ گیر شک پرہٹو[۱] کی طرح محض شک وریب کی خاطر نہ تھا، بلکہ وہ اس شک سے
یقین کے ایک ایسے ناقابل شک نقطہ اور ایسی اٹل چٹان تک پہنچنا چاہتا تھا، جو علم واستدلال کی عمارت
کے لیے مستحکم بنیاد بن سکے (صفحہ ۳۴)

تم زمین وآسمان کے تمام محسوسات ومشاہدات کو شک کی نگاہ سے دیکھ سکتے ہو، تم خود اپنے
جسم کے وجود مین شبہہ کرسکتے ہو، تم اپنے تمام حسی وذہنی خیالات کو محض اپنا ایک طویل خواب قرار
دیسکتے ہو، لیکن نفس ان خیالات اور خیال کرنے والی ذات مین شک کرنا ناممکن ہے۔ مین یہ خیال کرسکتا
ہون کہ جس قلم سے بیٹھا ہوا لکھ رہا ہون، اُس کا اور اس سے لکھنے والے ہاتھ کا خارج مین کوئی وجود
نہین، لیکن یہ کیسے خیال کرسکتا ہون، کہ مین خیال نہین کررہا ہون۔ اس مین شک کرنا ہی کہ مین خیال
کررہا ہون یا نہین ایک شک یا خیال کرنے والی ذات کو مستلزم ہے،

اسی کو ڈیکارٹ نے اپنے تاریخی فقرہ مین یون ادا کیا ہے، کہ "مین سوچتا ہون اسلیے مین
ہون"، یعنی سوچنے والی ذات یا "مین" (انا) کا وجود قطعاً ناقابل شک وانکار ہے،
تمام چیزین غلط ہوسکتی ہین، لیکن یہ صداقت کہ "مین سوچتا ہون، اسلیے مین ہون"، اس قدر
قطعی اور اٹل ہے، کہ متشککین کے مبالغہ آمیز سے مبالغہ آمیز مفروضات بھی اس کو متزلزل نہین کرسکتے،

[۱] یہ قدیم زمانہ کا یونانی فلسفی اور فلسفہ تشکیک وارتیابیت کا بانی ہے جس کو خود شک مین بھی شک تھا،

لہذا اسی کو مین نے اپنے فلسفہ کا وہ اولی واساسی اصول قرار دیا، جس کی جستجو تھی،"
ڈیکارٹ نے اس اصول کی قطعیت کو متعدد پیرایون مین بار بار دہرایا ہے۔ اور یہ اصول
چونکہ نہ صرف ڈیکارٹ کے فلسفہ کا اساس ہے، بلکہ جیسا کہ تم کو اوپر معلوم ہوچکا ہے، جدید فلسفہ کی ساری
عمارت اسی "مین" یا "انا" پر قائم ہے، اسلیے ذرا توجہ سے پھر ایکبار ہوسس اول کے الفاظ سن لو،
"انسان کا علم تمام تر حواس سے ماخوذ ومستنبط ہے، جو کبھی کبھی دھوکا دیتے ہین، اسلیے "مین
فرض کیے لیتا ہون کہ خدا نہین بلکہ کوئی خبیث روح یا شیطان ہے، جو انتہائی حد تک
قادر ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا مکار بھی ہے، وہ اپنی تمام کارستانیون سے مجکو دھوکا دے رہا
ہے۔ مین مانے لیتا ہون، کہ زمین، آسمان، ہوا، رنگ، اصوات واشکال تمام خارجی چیزین
محض اضغاث احلام ہین، جن کا جال اس شیطان نے مجکو فریب دینے کے لیے بچھارکھا ہے
مجکو تسلیم ہے، کہ جو کچھ میری آنکھین دیکھتی ہین، وہ سب غلط ہے، مین باور کیے لیتا ہون کہ میرا
حافظہ جن چیزون کی یاد دلاتا ہے، اُن کا کبھی کوئی وجود نہ تھا، مجکو قبول ہے، کہ میرے آلات
جس کا کوئی وجود نہین، اور جسم امتداد، شکل وصورت وغیرہ تمام چیزین من گڑھت اور میرے
ذہن کی اختراعات ہین۔ ان تمام مفروضات کے بعد بھی دیکھو کہ کیا باقی رہجاتا ہے؟ "مین"
یعنی وہ ذات، جو اس فریب مین مبتلا ہے، کیا وہ کوئی چیز نہین ہے؟ کیا خود میرے التباسات
میرے وجود کو مستلزم نہین ہین؟ کیا مین یہ نہین کہہ سکتا، کہ "چونکہ مین فریب کھا رہا ہون،
اسلیے مین موجود ہون"؟ خبیث روح اور جس قسم کا دھوکا مجکو دیسکتی ہو، دینے دو، لیکن
وہ اس کا کبھی یقین نہین دلاسکتی، کہ مین کچھ نہین ہون، لہذا اس قدر بہرحال بالکل بدیہی
وقطعی ہے، کہ "مین ہون"، "مین موجود ہون"، مین کیا ہون یہ مین نہین جانتا، البتہ
اتنا یقینی ہے کہ مین ہون"

لیکن در اصل میرا وجود ہی میری حقیقت پر سے بھی پردہ اٹھا دیتا ہے، اور "مین ہون" سے از خود "مین کیا ہون" کا عقدہ کھل جاتا ہے۔ اسلیے کہ "مین ہون" کے معنے صرف اس قدر ثابت ہوئے ہین، کہ ایک "سوچنے والی" ذات ہے۔ اس ذات سے مکین و مکان، جسم و جسمانیات کے تمام صفات کی نفی کی جاسکتی ہے، مگر سوچ یا خیال کو اس سے کسی طرح نہین منفک کیا جاسکتا، جان "سوچنے والی" کی صفت کو اس ذات سے الگ کیا، کہ اصل ذات ہی کا وجود غائب ہو جاتا ہے، مین اُسی وقت تک ہون، جب تک کہ سوچتا ہون اور اگر مین سوچتا نہین ہون، تو پھر چاہے ساری دنیا موجود ہو لیکن مین نہین ہون۔ میرا وجود صرف میرے سوچنے تک ہے۔" لہذا معلوم ہوا، کہ مین ایک ایسا جوہر ہون، جس کی حقیقت یا ماہیت تمام تر صرف سوچنا ہے[1]۔"

بہ الفاظ دیگر یون کہو کہ ذہن، نفس، عقل یا روح نام ہے ایک جوہر ذی فکر (سوچنے والا جوہر) کا،

(۳)

"مین سوچتا ہون، اسلیے مین ہون"۔ جب یہ اساسی اصول مستحکم ہو چکا، اور انا یا ذات کے وجود و حقیقت کی بنیاد پوری طرح استوار ہو گئی، تو اب یہ دیکھنا رہجاتا ہے، کہ غیری یا ما سوی الذات کی عمارت کس حد تک اس بنیاد پر کھڑی کیجا سکتی ہے۔ لیکن دیوارون کو اونچا کرنے سے پہلے یہ معلوم کرلینا ضروری ہے، کہ وہ کیا مصالحہ ہے، جس نے بنیاد کو اس قدر اٹل اور اسقدر یقینی بنا دیا ہے، تاکہ ساری عمارت مین اسی مصالحہ کو استعمال کرکے یکسان استواری و استحکام پیدا کیا جاسکے،

وہ کیا شے ہے، جس نے اس اصول کو قطعی و ناقابل انکار بنا دیا، کہ "مین سوچتا ہون، اسلیے مین ہون" ظاہر ہے، کہ اسکی قطعیت و یقین کا مدار تمام تر صرف اس تصور و ادراک کی غایت وضاحت پر ہے، کہ یہ ناممکن ہے، کہ کوئی شخص سوچے اور نہ ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ مین سوچون، درانحالیکہ

[1] سوچ، فکر، یا خیال کو ڈیکارٹ نے "شعور" (CONSCIOUSNESS) کے معنی مین استعمال کیا ہے جسمین جذبات اور ارادہ و احساس وغیرہ سب داخل ہین (صفحہ [illegible])

مین موجود نہین ہون،

"جو شے مجکو اس امر کی صداقت کا یقین دلارہی ہے، کہ "مین سوچتا ہون، اسلیے مین ہون" وہ اس کے سوا کچھ نہین کہ مین یہ نہایت ہی واضح و جلی طور پر تصور کر رہا ہون، کہ سوچنے کیلیے (سوچنے والے کا) موجود ہونا ضروری ہے۔ لہذا مین نے اس کو ایک قاعدہ کلیہ قرار دیا کہ جن چیزون کا ہم غایت وضاحت و صفائی کے ساتھ تصور کرین وہ سچ ہوتی ہین۔ (صفحہ ۳۹)

علوم مین یقین و قطعیت کے لحاظ سے، سب سے اونچا درجہ ریاضیات کا ہے۔ اس قطعیت کا مدار بھی براہین ریاضیہ کی غایت وضاحت ہی ہے۔ ڈیکارٹ کو اسی خصوصیت کی بنا پر ریاضی سے انتہائی شغف تھا، بلکہ بعضون[1] کے نزدیک تو اُس کی اصلی حیثیت فلسفی سے بڑھکر نیوٹن پاسکل و وتال[2] وغیرہ کے ہم سر ریاضی دان کی ہے اور اُس کا فلسفہ ریاضی ہی کی ایک تعمیم ہے۔ وہ خود بھی اپنا اصلی ذوق و شغف ریاضیات ہی کے ساتھ بتلاتا ہے، کہ "سب سے زیادہ دلچسپی مجکو ریاضیات مین تھی، جسکی وجہ براہین ریاضیہ کی قطعیت و بداہت ہے" لیکن اُس کو حیرت تھی، کہ اس قطعیت سے لوگون نے صرف میکانکی فنون مین فائدہ اُٹھایا ہے، اور ایسی محکم و استوار بنیاد پر ابتک کوئی بلند تر عمارت نہین کھڑی کیجا سکی ہے[3]۔

بالآخر اس ادھیڑ بن سے ڈیکارٹ جس نتیجہ پر پہنچا وہ یہ تھا، کہ علم انسانی کے ہر شعبہ مین ریاضیات سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اگر آدمی اس امر کی احتیاط رکھے کہ کاذب کو صادق نہ سمجھ لے، اور ایک صداقت کو دوسری سے مستنبط کرنے مین ضروری ترتیب کو ہشیاری کے ساتھ ملحوظ رکھے، تو جس طرح اقلیدس کے صاف و سادہ سلسلۂ استدلال مین ایک نتیجہ بداہۃً دوسرے سے مستنبط ہوتا چلا جاتا ہے، اور ایک کڑی

[1] دیکھو انوڈ ویبر کی "تاریخ فلسفہ" صفحہ ۳۰۶، [2] پاسکل اور وتال، دونون فرانس کے مشہور ائمہ ریاضیات ہین،

[3] "مبحث نہج" صفحہ ۹،

دوسری سے لزوماً وابستہ ہوتی ہے، اسی طرح ذہن انسانی کے تمام معلومات مین ایک کو دوسرے سے مستنبط و وابستہ کیا جاسکتا ہے[1]

حتیٰ کہ مابعد الطبیعیات، جو شاید اُسی قدر ظنی علم ہے، جس قدر کہ ریاضیات کو قطعی خیال کیا جاتا ہے، گر ڈیکارٹ نے اس کو بھی ہندسی استنباطات ہی کی زنجیر مین جکڑنا چاہا ہے۔ اس مین کلام نہین کہ اُسنے فلسفۂ مابعد الطبیعیات کے لیے جو نقطۂ آغاز (انا) تلاش کیا ہے، اُس کا وجود ہندسہ یا اقلیدس کے مفروضی نقطہ سے کہین زیادہ قطعی ویقینی ہے، البتہ دیکھنا یہ ہے اس نقطۂ "انا" و "ذات" سے "غیری" و "ماسوی الذات" کی شکل کو مکمل کرنے کیلیے جو خطوط کھینچے یا جو نتائج مستنبط کیے گئے ہین، کیا وہ بھی اتنے ہی قطعی ہین، جتنا کہ کسی مثلث کے تین زاویون کا دو قائمون کے مساوی ہونا قطعی ہے؟

(۴)

ماورا از ذات تمام چیزون کو مشکوک قرار دیکر ڈیکارٹ نے اپنے کو خود اپنی انفرادی ذات یا انا کے اندر مقید کرلیا ہے جس سے باہر نکلنے کے لئے اگر کوئی راستہ رہجاتا ہے، تو وہ خود اسی انا کے افکار و تصورات کا راستہ ہے،

ان تصورات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے[2]، کہ بعض تو خود ذہن کے آفریدہ ہین (مثلاً شاعرانہ تخیلات) بعض خارج سے ماخوذ نظر آتے ہین (محسوسات) اور بعض ایسے ہین، جو نہ ذہن وذات کے آفریدہ ہین، اور نہ خارج سے ماخوذ ومستفاد کیے جاسکتے ہین، بلکہ اُن کو ہم خود اپنی فطرت وجبلت کے ساتھ لیکر پیدا ہوئے ہین، مثلاً خود اپنی ذات یا انا کو لو کہ اس کا تصور یا شعور نہ کوئی خارجی احساس ہے، اور نہ ذہنی تخیل، بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا راسخ ترین یقین واذعان ہماری اصل خلقت مین داخل ہے،

اسی تیسری صنف مین ڈیکارٹ نے اُس تصور کو بھی داخل کیا ہے، جس کی تعبیر خدا کے نام سے کیجاتی ہے۔ خدا کے نام سے میری مراد ایک نامتناہی، قدیم، ناممکن التغیر، بے نیاز، قادر مطلق، ہمہ دان

[1] "مبحث منہج" ص ۲۳ [2] "افکار" ص ۱۴۷

ذات (جوہر) ہے، جو میرے اور میرے علاوہ تمام چیزون (بشرطیکہ اور کوئی چیز ہو) کی خالق ہے[1]"،

اب سوال یہ ہے، کہ ایسی بہمہ وجوہ کامل ہستی کا تصور ہمارے ذہن مین کہان سے آیا؟

ظاہر ہے کہ یہ تصور سردی وگرمی، رنگ، وبو کی طرح کوئی حسی شے نہین ہے، جسکو محسوسات مین داخل کیا جائے، خود ہمارا ذہن بھی اسکو نہین خلق کرسکتا، اسلیے کہ خالق یا علت مین کم از کم اتنی حقیقت تو پائی جانی چاہیے، جتنی کہ معلول مین موجود ہے، کیونکہ معلول کی حقیقت بجز علت کے اور کہان سے ماخوذ ہوسکتی ہے؟ "جس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ جو شے زیادہ کامل ہے، یعنی جو اپنے اندر زیادہ حقیقت رکھتی ہے، وہ اپنے سے کم کامل شے کی معلول ومحتاج نہین ہوسکتی" اور یہ معلوم ہے، کہ خدا کی نامحدود ہمہ دان وقادر مطلق ہستی کا تصور ہمارے محدود، ناقص العلم وقاصر القدرت ذہن سے بدرجہا زائد حقیقی وکامل تر ہے۔ لہذا یہ تصور جس طرح محسوسات مین نہین داخل ہے، اسی طرح ذہن کا آفریدہ بھی نہین ہوسکتا،

لامحالہ اب صرف تیسری ہی شق باقی رہجاتی ہے، یعنی یہ تصور جبلی وفطری ہے، اور کم از کم اپنی ہی حقیقت کے مساوی، ایک کامل ہستی کا آفریدہ ہے، "جس نے بوقت آفرینش اس تصور کو میری فطرت کے اندر اسی طرح پیدا کردیا ہے جس طرح کہ خود میری ذات کے تصور کو" "اور یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے، کہ خدا نے مجکو خلق کرتے وقت بطور اپنی نشانی کے یہ تصور میرے اندر قائم کردیا ہو، جیسا کہ کوئی صناع اپنی صنعت پر علامت قائم کردیتا ہے"،

مختصر یہ کہ "انا" کے اندر خدا کا جو تصور پایا جاتا ہے، وہ صرف خدا ہی کا آفریدہ ہوسکتا ہے، اسلیے خدا موجود ہے،

یہ تو وجود خدا کا استنباطی ثبوت تھا، جسمین معلول (خدا کے تصور) سے علت (خدا کے وجود) کا استنباط کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ڈیکارٹ نے ایک اور تحلیلی ثبوت بھی پیش کیا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے،

[1] "افکار" ص ۱۵۸

کر تحلیل کرنے سے خدا کا نفس تصور ہی وجود خدا کو مستلزم ثابت ہوتا ہے[1] ڈیکارٹ نے اس ثبوت کو ہندسی ثبوت سے تعبیر کیا ہے،

اوپر تم کو معلوم ہو چکا ہے، کہ خدا سے مراد ایک نامحدود، ہمہ دان، قادر مطلق و بے نیاز ذات ہے یا بالفاظ دیگر یون کہو کہ ایک ایسی ذات جو بہمہ وجوہ کامل ہے۔ اب ظاہر ہے، کہ ایسی ذات کے تصور سے جو تمام اوصاف کمالیہ کی جامع ہو، وجود کو جو خود ایک صفت کمال ہے کیسے منفک کیا جا سکتا ہے۔ اس سے بڑھکر کسی شے کا کیا نقص یا عدم کمالی ہو سکتا ہے، کہ وہ تمام صفات کمالیہ سے تو متصف ہو، لیکن وجود سے معریٰ ہو۔ لہذا "بہمہ وجوہ کامل ہستی" کا اُس وقت تک تصور ہی نہین ہو سکتا، جبتک وہ صفت وجود کو شامل نہو، جس کے معنی یہ ہین، کہ خدا کا نفس تصور ہی وجود خدا کو مستلزم ہے، اور

"وجود خدا کو ماہیت خدا سے منفک کرنا، اس سے زیادہ ممکن نہین ہے، جتنا کہ مثلث کی ماہیت سے اس امر کو منفک کرنا، کہ اُس کے تین زاویہ دو[2] قائمون کے برابر ہوتے ہین، یا پہاڑ کے تصور سے وادی کے تصور کو منفک کرنا، ایسے خدا (یعنی بہمہ وجوہ کامل ہستی) کا تصور کرنا جو وجود (یعنی ایک کمال) سے معریٰ ہو، اس کم درجہ کا تناقض نہین ہے، جتنا کہ ایسے پہاڑ کا تصور کرنا جو وادی نہ رکھتا ہو"

لہذا کوئی شے بھی اس خیال سے زیادہ بجائے خود واضح و بین نہین ہو سکتی، کہ خدا یعنی ایک ایسی اعلیٰ و کامل ہستی کا وجود ہے جس کا نفس تصور ہی اُس کے ازلی یا واجب الوجود ہونیکو مستلزم ہے، اور اسلیے وہ موجود ہے[1]

(۵)

وجود خدا کا اثبات ڈیکارٹ کے فلسفہ کا نہایت اہم جزء ہے۔ اس کے بغیر انسان کا علم نقطہ "انا" سے آگے نہین جا سکتا، اور "غیری" کے علم پر ہمیشہ کے ریب و شک کا پردہ پڑ جاتا ہے، کیونکہ خدا کو مانے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے، کہ ممکن ہے، کہ زندگی تمام تر ایک طویل خواب ہو، ممکن ہے کہ محسوسات کا سارا عالم محض ذہن و وہم کا آفریدہ ہو، ممکن ہے، کہ کسی خبیث شیطانی قوت نے فریب و التباس کا طلسم قائم کر رکھا ہو،

[1] وجود خدا کے یہ دونون ثبوت بتفصیل "افکار" نمبر ۳ و ۵ مین علی الترتیب مذکور ہین،

لیکن علم و قدرت، دانائی و حکمت ہر لحاظ سے ایک نامحدود و بہمہ وجوہ کامل ہستی کا وجود ثابت ہو چکنے کے بعد یہ فرض کرنا صریح تناقض ہو گا، کہ عالم محسوسات، جس کو شب و روز عملی زندگی مین ہم موجود فی الخارج یقین کرنے پر فطرۃً مجبور ہین اور جو صاف و علانیہ طور پر ذہن سے باہر نظر آتا ہے، وہ سراپا ایک طلسم و فریب ہے، جسکا واہمہ سے الگ کہین کوئی وجود نہین اور خدا نے ہمکو محض دھوکے مین مبتلا کر رکھا ہے۔ دھوکا دینا خدا جیسی کامل ہستی کے اوصاف کاملہ کے قطعاً منافی ہے، بے شک وہ اپنی قدرت کاملہ سے یہ کر سکتا تھا کہ مادہ و جسمانیات کا واسطہ اختیار کیے بغیر براہ راست ہمارے اندر وہ تصورات پیدا کر دیتا، جنکو ہم کائنات مادی سے ماخوذ سمجھتے ہین۔ یا کوئی اور صورت اختیار کر سکتا تھا،

"مگر خدا چونکہ دھوکا نہین دے سکتا، اسلیے یہ بالکل ظاہر ہے، کہ وہ ان تصورات کو نہ براہ راست پیدا کرتا ہے، اور نہ کسی ایسی شے کا واسطہ اختیار کیا ہے، جو ان تصورات پر صورۃً نہین بلکہ صرف معنیً مشتمل ہے، کیونکہ خدا نے کوئی ایسی قوت ہمکو نہین عطا کی ہے، جس سے ہم جان سکین، کہ وہ ایسا کرتا ہے (حالانکہ اگر ایسا کرتا تو ہم کو فریب و شبہہ مین رکھنے کی کیا ضرورت تھی، ساتھ ہی وہ ایسی قوت بھی عطا کر سکتا تھا، جس سے ہم بلا التباس جان سکتے کہ خدا خود براہ راست ان تصورات کا خالق ہے[1]) بلکہ بخلاف اسکے اُسنے ایک نہایت ہی شدید رجحان ہمارے اندر اس بات کا پیدا کر دیا ہے، کہ یہ تصورات خارجی چیزون سے ماخوذ ہین، لہذا اگر یہ تصورات کہین اور سے آتے ہین یا مادی چیزون کے سوا، دیگر اسباب سے پیدا ہوتے ہین، تو مین نہین سمجھتا کہ ہم خدا کو فریب دہی سے کیسے منزہ کر سکتے ہین۔ اسلیے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ مادی چیزین موجود ہین، تاہم یہ تمام تر ویسی ہی نہین ہوتین، جیسا کہ ہم انکو محسوس کرتے ہین۔ کیونکہ بہت سے ایسے اسباب موجود ہین جو ادراک حواس کو نہایت ہی مبہم و مشتبہ بنا دیتے ہین۔ پھر بھی اتنا ماننا پڑیگا، کہ جس شے کا ان مادی چیزون مین ہم واضح و جلی طور پر ادراک کر سکین (یعنی بحیثیت مجموعی جس شے کا تعلق نظری ہندسہ سے ہو) وہ حقیقۃً ان مین پائی جاتی ہے[2]"

[1] قوسین کی عبارت مین نے بڑہائی ہے، [2] "فکر" ۶،

غرض جب خدا کی صفات کمالیہ کے یہ قطعاً منافی تھا، کہ وہ ہمارے اندر کسی خلاف واقع امر کا رجحان پیدا کرکے ہمکو فریب اور التباس مین مبتلا رکھے، اور یہ معلوم ہے، کہ ہمارے اندر عالم محسوسات یا کائنات خارجی کے قبول و اذعان کا نہایت ہی قوی رجحان موجود ہے، تو لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے، کہ یہ عالم واقعًا خارج مین موجود ہے، جس کے بعد یہ دیکھنا رہجاتا ہے، کہ اس عالم خارجی یا مبدءِ محسوسات (مادہ) کی اصل و حقیقت کیا ہے؟

(۴)

جسطرح یہ معلوم ہے، کہ عالم محسوسات کے خارجی وجود کے لیے خدا نے ہمارے اندر نہایت قوی رجحان پیدا کیا ہے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہے، کہ کھرے کھوٹے کی تمیز کے لیے اُس نے ہمکو عقل عطا کی ہے، اور ہم ہر چمکیلی چیز کو سونا نہین سمجھتے، ہم اسی عقل و استدلال کی بنا پر جانتے ہین، کہ ادراکات حواس نہایت ہی مبہم و مشتبہ اور دور از حقیقت ہوتے ہین، ان احساسی غلطیون کی تصحیح و تنقیح عقلی استدلالات ہی سے ہوتی ہے حواس کی وساطت سے آفتاب ہم کو صرف بالشت دو بالشت کا ایک چھوٹا سا مدور جسم نظر آتا ہے، لیکن استدلال واضح و غیر مشتبہ طور پر بتلاتا ہے، کہ اس مدور جسم کا قطر ۸۶۶۳۰۰ میل ہے، اور اسکی جسامت زمین سے بقدر ۱۳۰۰۵۰۰ کے زائد ہے، الحاصل علم و یقین کا حقیقی معیار عقل و فہم ہے، نہ کہ احساس و تخیل،

لہذا کسی شے کی حقیقت و ماہیت کے جاننے کے لیے تنہا حواسی علم کافی نہین بلکہ اس علم کی تصحیح و تنقیح عقل سے ہونی چاہیے۔ اور اس تصحیح و تنقیح کے بعد جو علم واضح و غیر مشتبہ طور پر حاصل ہو وہ بلاشک حقیقی و واقعی ہے یہی معنی ڈیکارٹ کے اس قول[1] کے ہین، کہ

"ہر وہ چیز جسکا مین واضح و جلی طور پر تعقل کرتا ہون، اُس کا حقیقی ہونا قطعی ہے۔۔۔۔ کوئی ایسی دلیل نہین پیش کیجاسکتی جو اس (واضح و جلی تعقل) کو میری نظر مین مشکوک بنا سکے، اور مجکو اسکا حقیقی و یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے"

اب دیکھو اس معیار تحقیق و صداقت کی بنا پر مادہ یا مبدءِ محسوسات کی کیا حقیقت ٹھہرتی ہے۔ بظاہر ایسا

[1] "فکر" ۵۔

معلوم ہوتا ہے، کہ رنگ و بو صورت و شکل سردی و گرمی وغیرہ تمام اعراض و محسوسات خارج مین موجود اور مادہ یا اجسام کے ساتھ قائم ہین۔ یعنی "جو جسم گرم ہے، اس مین کوئی نہ کوئی ایسی شے پائی جاتی ہے جو گرمی کے اُس تصور کے مماثل ہے، جو میرے اندر پایا جاتا ہے، سیاہ یا سفید جسم مین وہی سیاہی یا سفیدی موجود ہے، جس کا مجکو احساس ہوتا ہے، تلخ یا شیرین جسم مین وہی ذائقہ ہے، جو مین محسوس کرتا ہون، ستارون اور مینارون وغیرہ اجسام بعیدہ کا جو قد و قامت ہمارے آنکھون کو دور سے نظر آتا ہے واقعًا بھی وہ اسی قد و قامت کے ہین"۔ (ص ۲۱۵)

لیکن بتدریج تجربہ حواس پر سے اس اعتماد کو اٹھا دیتا ہے "کیونکہ مین نے بارہا دیکھا، کہ جو مینار دور سے گول دکھائی دیتے تھے، وہ قریب سے مربع نظر آئے، ان مینارون کی چوٹی پر جو دیو ہیکل بت نصب تھے، وہ نیچے سے نہایت چھوٹے نظر آتے تھے، اسی طرح کے بے شمار تجربات مین مجھے علم حواس کی تغلیط ہوتی ہے" (ص ۲۰۰) اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے، کہ آگ کے پاس بیٹھنے سے جو گرمی محسوس ہوتی ہے اُسکا وجود خود اس آگ کے اندر اس سے زیادہ نہین، جتنا کہ اُس درد یا تکلیف کا جو آگ سے جل جانے مین محسوس ہوتی ہے۔" اور گو آگ کے قریب جانے سے مین گرمی محسوس کرتا ہون، اور اگر ذرا زیادہ قریب جاؤن تو گرمی کے ساتھ تکلیف بھی محسوس کرونگا، بااینہمہ میرے پاس کوئی ایسی دلیل نہین ہے، جو یہ منوا سکے، کہ آگ کے اندر گرمی کے مماثل کسی شے کا وجود اُس سے زیادہ ہے، جتنا کہ درد یا تکلیف کے مماثل کسی شے کا ہو سکتا ہے۔ البتہ مین صرف اتنا جان سکتا ہون کہ آگ کے اندر ایسی کوئی نہ کوئی شے ضرور ہے جو میرے اندر گرمی یا تکلیف کے احساس کو پیدا کرتی ہے"

خلاصہ یہ کہ ہمارے تمام محسوسات، جو بظاہر اجسام خارجی کے ساتھ قائم معلوم ہوتے ہین، دراصل اُنکا وجود صرف محسوس کرنیوالے ذہن کے اندر ہوتا ہے۔ اور اسلیے وہ کسی خارجی شے کے اولی یا جوہری صفات نہین ہین، نہ ان سے اجسام خارجی کی حقیقت و ماہیت کو کوئی تعلق ہے،

حواس خدا نے اسلیے عنایت کیے ہین، کہ جو چیزین موجب الم ہوتی ہین اُن سے ہم بچین، اور جو

باعث ذلت ہوتی ہین انکی طرف مائل ہون، نہ یہ کہ ادراکات حواس سے اشیائے خارجی کی حقیقت و ماہیت پر ہم کوئی حکم لگائین، حقایق اشیاء پر حکم لگانے کا کام میرے نزدیک حواس نہین، بلکہ صرف ذہن و فہم کا ہے یعنی تحقیق و تنقیح کے بعد ذہن کو جس شے کا واضح و جلی تعقل حاصل ہو، وہ حقیقی ہے،

نفس و روح کے متعلق سب سے زیادہ جلی و غیر مشتبہ تصور خیال، فکر یا سوچ کا تھا یعنی سوچنے کی صفت سے جدا کر کے نفس کا تعقل نہین کیا جا سکتا، اسی لیے نفس کی حقیقت "سوچنے والا جوہر" قرار پائی، اسی طرح مادہ و جسم کے لئے بھی ہمکو وہی شے تلاش کرنی ہے، جس کا علم و تصور نہایت جلی و غیر مشتبہ ہو اور جسکے بغیر اُسکا تعقل ناممکن ہو،

مثال کیلیے کسی جزئی جسم کو مثلاً تازہ موم، جو ابھی ماکھیون کے چھتے سے نکالا گیا ہے، اسمین ابھی تک شہد کی نرمی اور پھولونکی بو باس ایک حد تک موجود ہے، یہ ایک خاص رنگ اور خاص شکل و صورت رکھتا ہے، اسپر ضرب لگانے سے ایک خاص آواز پیدا ہوتی ہے، غرض بظاہر جن چیزونکو علامات جسم خیال کیا جاتا ہے وہ سب اسمین موجود ہین۔ اب ذرا اس موم کو آگ پر رکھدو اسکی بو باس زائل ہو جاتی ہے، رنگ بدل جاتا ہے، شکل فنا ہو جاتی ہے، رقیق ہو کر زیادہ پھیل جاتا ہے، سرد سے گرم ہو جاتا ہے، پہلے سختی کی بنا پر ضرب لگانے سے، جو آواز نکلتی تھی اب نہین نکلتی۔ (ص ۱۳۵)

لیکن ان تمام تبدیلیونکے باوجود جسم وہی جسم ہے جو پہلے تھا، نفس جسمیت پر ان تغیرات کا کوئی اثر نہین پڑا لہذا رنگ و بو وغیرہ "صفات ثانیہ" مدار جسمیت نہین ہو سکتین، اب غور سے دیکھو کہ ان چیزونکے حذف کر دینے کے بعد کیا شے باقی رہجاتی ہے؟ یہ شے پھیلاؤ یا امتداد یعنی طول، عرض اور عمق ہے۔ تم تمام چیزونکو جسم سے زائل یا جدا کر سکتے ہو، لیکن امتداد کا منفک کرنا ناممکن ہے، امتداد کے بغیر تم جسم کا کسی طرح تعقل ہی نہین کر سکتے، جسم کی تمام دیگر صفات فانی اور آنی جانی ہین، لیکن نفس امتداد ہر حال مین قائم و باقی رہتا ہے، ہمکو اس امر مین اشتباہ ہو سکتا ہے، کہ دور سے جو مینار گول معلوم ہو رہا ہے، وہ قریب جا کر چوپہل نظر آسکتا ہے، لیکن اس مینار کے ممتد ہونے کا دور و نزدیک دونون جگہ سے ہمکو یکسان یقین حاصل ہے، اور نہایت ہی

جلی و غیر مشتبہ طور پر ہم جانتے ہین، کہ کچھ ہو یا نہو، لیکن لمبائی، چوڑائی اور گہرائی اس مینار مین قطعاً موجود ہے چھوٹے سے چھوٹے جسم کا تعقل بھی امتداد کے بغیر نہین کیا جا سکتا۔ گو ڈیکارٹ کے فلسفہ مین سالمات یا اجزاء دیمقراطیسی کا کوئی وجود نہین اور گو ان سالمات کو رنگ و بو وغیرہ کے صفات سے خالی مانا جاتا ہے تاہم نفس امتداد سے معری کر کے سالمات کا تعقل بھی نہین ہو سکتا۔ یہ ممکن ہے، کہ واقعاً سالمات کی تجزی و تقسیم نہو سکتی ہو لیکن عقلاً وہ ضرور ممتد و منقسم ہوتے ہین، لہذا امتداد ہی ایک ایسی صفت رہجاتی ہے، جس سے کبھی اور کسی حالت مین بھی جسم کو منفصل نہین تصور کیا جا سکتا، اور جس کا تعقل جسم کے تمام احوال مین جلی و واضح طور پر حاصل رہتا ہے،

اسلیے جسم کی حقیقی و جوہری صفت صرف امتداد ہی ہو سکتی ہے یعنی جسم یا مادہ نام ہے "جوہر ممتد" کا۔

"مادہ یا جسم کی ماہیت اسکا سخت و زنی رنگین یا کسی اور ایسی شے سے متصف ہونا نہین ہے جو ہمارے حواس کو متاثر کرتی ہے، بلکہ اسکی حقیقت و ماہیت صرف طویل، عریض و عمیق یعنی جوہر ممتد ہوتا ہے"

(۷)

بس اس جوہر ممتد کے اثبات پر ڈیکارٹ کا اصلی نظام فلسفہ مکمل ہو جاتا ہے، جسکا ماحصل تین مقدمات ہین:

(۱) تمام چیزون کے متعلق شک و انکار کے باوجود شک کرنے والی ذات یا "انا" کا انکار ناممکن ہے۔ اس "انا" کی حقیقت "جوہر ذی فکر" ہے یعنی سوچنے یا شعور کرنے والی ذات۔

(۲) "انا" کے اندر جو مختلف خیالات و تصورات پائے جاتے ہین، اُن مین ایک تصور "بہمہ وجوہ کامل ہستی" کا بھی ملتا ہے۔ اس تصور کی خالق یا علت کوئی ایسی ہی ہستی ہو سکتی ہے جو کم از کم اپنے معلول کے مساوی کامل ہو۔ اسی علت کا نام خدا ہے لہذا خدا موجود ہے جو "انا" اور ماورا انا تمام چیزونکا خالق ہے۔

(۳) "انا" کے اندر ایک خارجی عالم اجسام یا "غیری" کے قبول و اذعان کا نہایت ہی قوی رجحان موجود ہے۔ اگر یہ عالم واقعاً خارج مین موجود نہین ہے، تو خدا نے ایک خلاف واقع شے کا رجحان ہمارے اندر پیدا کر کے ہمکو فریب و التباس مین مبتلا کیا جو خدا کی صفات کمالیہ کے قطعاً منافی ہے لہذا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عالم اجسام موجود ہے۔

جسم کی تمام صفات مین حقیقی و جوہری صفت صرف امتداد ہے، بالفاظ دیگر یون کہو، کہ جسم یا مادہ کی حقیقت جوہر ذی امتداد ہے، باقی کائنات خارجی کی تمام بوقلمونیان اسی حقیقت امتداد کے اوضاع و حالات ہین

اس ما حصل کا اگر ما حصل صرف تین لفظون مین نکالنا چاہو تو یہ ہوگا، کہ خدا، روح اور مادہ بس یہی تین چیزین ڈیکارٹ کے فلسفہ کی "اقانیم ثلثہ" ہین۔

ان تین اصول کے ساتھ تین فروع کو پیش نظر رکھنا چاہیے،

(۱) جوہر کی تعریف یہ کی گئی ہے، کہ "جو اپنے وجود و قیام کے لیے اپنی ذات سے ماورا کسی شے کا محتاج نہو" ظاہر ہے، کہ اس تعریف کی بنا پر حقیقی جوہر صرف خدا ہی کی نامحدود واجب الوجود ذات ہو سکتی ہے۔ باقی روح اور مادہ کی جوہریت ڈیکارٹ کے نزدیک محض اضافی ہے، یعنی یہ دونون چیزین اپنے وجود و قیام مین براہ راست صرف خدا کی محتاج ہین، اسلیے گویا انکو ایک دوسرے درجہ کی جوہریت حاصل ہے بخلاف اعراض کے مثلاً رنگ و بو، کہ وہ اپنے وجود مین ان اضافی جواہر نیز اور بہت سے خارجی حالات کے محتاج ہوتے ہین،

(۲) جواہر و اعراض کے مابین صفات کا درجہ ہے۔ صفت سے مراد "جوہر کا وہ اصلی و حقیقی وصف ہوتا ہے جس سے ہم جوہر کو بغیر خود اس جوہر کے فنا کئے، منفک نہین کر سکتے، بلکہ اس جوہر کا تصور ہی بے اس صفت کے ناممکن ہوتا ہے، روح کی یہ صفت جوہری فکر ہے، اور مادہ کی امتداد۔

(۳) اجسام یا مادہ کی حقیقت چونکہ امتداد اور صرف امتداد ٹھہرتی ہے، اور چونکہ یہ حقیقت مکان (صرف وہی مکان نہین جو جسم سے مشغول ہو، بلکہ وہ بھی جسکو خلا کہا جاتا ہے) کے تصور مین بھی داخل ہے، لہذا اجسام اور "مکان" جس کو یہ اجسام شاغل ہین دونون ایک شے ہین۔ بالفاظ دیگر یون کہو کہ "مکان بمعنے خلا" کا جو کسی جوہر سے مشغول نہو کوئی وجود نہین۔

اوپر فلسفہ جدیدہ کے نقطۂ آغاز اور اصول و فروع کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے، اُسکی حیثیت قرارداد

بالا کے مطابق صرف ایک مختصر و جامع متن کی ہے، تشریح و تنقید سے عمداً پرہیز کیا گیا ہے۔ البتہ ذیل مین بعض اُن پہلوؤن کی جانب اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، جو آگے چل کر فلسفہ کی تاریخ مین نفیاً یا اثباتاً موضوع بحث و تنقید قرار پائے،

ڈیکارٹ کے فلسفیانہ نظام پر ایک جملہ مین جو تنقید کیجا سکتی ہے، وہ یہ ہے، کہ بنیاد جسقدر مستحکم تھی بالائی عمارت اُسی قدر متزلزل ہے۔ بانی فلسفۂ جدیدہ کی حیثیت سے ڈیکارٹ کی اصلی مزیت یہ ہے کہ جو نقطۂ آغاز (انا)، یا جو بنیاد اُس نے قائم کی تھی، اُسکی بعض ناہموار اینٹون کو تو بعد کے لوگ ادھر ادھر کر سکے ہین، لیکن اصل اساس کو کوئی ہاتھ اپنی جگہ سے نہ ہلا سکا۔ زیادہ ترمیم و تنسیخ صرف بالائی عمارت مین ہوئی ہے، اور اس مین بھی بڑی حد تک وہی مسائل نفیاً یا اثباتاً زیر بحث رہے ہین، جنکو خود ڈیکارٹ نے چھیڑا تھا۔ لاک و ہیوم سے لیکر کینٹ و ہیگل تک فلسفۂ جدیدہ کی دو صد سالہ تاریخ مین جتنے مباحث پیدا ہوئے قریب قریب سب کا سررشتہ ڈیکارٹ ہی کے چھیڑے ہوئے مسائل مین ملجاتا ہے۔ اسلیے انکی جانب اشارہ نہ صرف مناسب بلکہ ضروری ہے،

(۱) سب سے پہلی شے، جو خالص فلسفیانہ حیثیت سے معرض بحث مین آسکتی تھی، وہ ڈیکارٹ کی ثنویت ہے اُس نے روح و مادہ نفس و جسم، ذات و ماسوی الذات، انا و غیری دونون کو اپنی حقیقت کے لحاظ سے بالکل ایک دوسرے کا ضد بلکہ نقیض قرار دیا۔ ایک کی حقیقت فکر ہے، دوسرے کی امتداد، فکر مین کوئی شے نہین، جو امتداد ہو، اور نہ امتداد مین کوئی شے ہے، جو فکر ہو ایک کی عین ماہیت ارادہ و شعور ہے دوسرا سراپا بے شعور و بے ارادہ جسم کے چھوٹے سے چھوٹے ذرہ کی بھی تقسیم و تجزی ممکن ہے، اور نفس کی کوئی مقداری یا کمی تجزی قطعاً ناممکن بلکہ ناقابل تصور ہے،

"مین اپنی ذات (انا) مین ممتاز اجزا نہین نکال سکتا بلکہ مین اپنے کو نہایت واضح طور پر ایک وحدت مطلقہ تصور کرتا ہون، اور گو بظاہر سارا نفس، سارے جسم کے ساتھ متحد نظر آتا ہے، تاہم جب ہاتھ پاؤن یا کوئی اور عضو جسم سے جدا ہو جاتا ہے"

تو مین علانیہ اسی بات کو جانتا ہون، کہ اسکے ساتھ میرے نفس کا کوئی جز جدا نہین ہوا ہے۔۔۔۔ لیکن جسمی
با ممتد اشیا کا حال اسکے بالکل خلاف ہے۔ کوئی چھوٹا سے چھوٹا جسم بھی مین ایسا نہین تصور کر سکتا، جس کی کم از کم
خیالی تقسیم نکر سکتا ہون، یا جسکو میرا ذہن آسانی کے ساتھ مختلف اجزا مین منقسم نہ کر سکتا ہو۔ جو اس امر کے
ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، کہ روح یا نفس جسم سے قطعاً مختلف شے ہے"۔ (ص۲۲)

جب نفس و جسم دونون مین اس درجہ کا بیر اور منافات ہے، تو قدرتی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انمین باہم تعامل و تفاعل یا تاثیر و تاثر کا رشتہ کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ حالانکہ ہم صراحۃً دیکھتے ہین، کہ ایک کا دوسرے پر عمل ہے، مثلاً نفس کے ارادہ سے جسمی اعضا و جوارح مین حرکت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح جسمی احوال و آفات کا اثر نفس پر پڑتا ہے،

ڈیکارٹ کے پاس اس سوال کا جواب صرف یہی ہو سکتا تھا، کہ نفس و جسم مین جو علاقہ نظر آتا ہے، یہ دراصل علاقہ علت و معلول یا رشتہ تاثیر و تاثر نہین ہے، بلکہ ایک مین تغیر کے وقت خدا دوسرے مین اسکے مقابل کا تغیر پیدا کر دیتا ہے[1]۔ لیکن سچ یہ ہے، کہ فلسفہ اس دوئی بلکہ تثلیث (خدا، روح اور مادہ) پر قرار نہین لے سکتا تھا، اور ڈیکارٹ کے بعد سے فلسفہ کی جد و جہد کا بڑا حصہ دوئی کے اس خلیج کو پاٹنے مین صرف ہوا ہے، جو اس نے نفس و جسم کے مابین حائل کر دی تھی۔ اسکی دو ہی صورتین تھین، یعنی حقیقی وجود یا تو صرف مادہ کا مانا جائے یا صرف روح کا۔ لازماً ایک گروہ نے مادیت کی راہ اختیار کی اور دوسرے نے روحانیت یا تصوریت کی۔ مگر فلسفہ کی زمین پر مادیت کا سرسبز ہونا ایک تو پہلے ہی سے دشوار تھا، دوسرے ڈیکارٹ نے فلسفہ جدیدہ کے نشو و نما کے لیے "انا" کی سرزمین کو اس قدر صالح و استوار کر دیا تھا، کہ اب اسپر مادیت کی روئیدگی اتفاقی خس و خاشاک سے زیادہ ممکن نہ تھی، اور فلسفہ کی جدید تاریخ کو دراصل صرف تصوریت ہی کی تاریخ کہنا چاہیے،

[1] نفسیات کی اصطلاح مین اسی نظریہ کا نام متوازیت ہے۔ یعنی انسان کو اس سے زیادہ کا علم نہین، کہ نفس و جسم کے افعال ایک دوسرے کے "متوازی" واقع ہوتے ہین،

(۲) نفس و جسم کے مابین تضاد ماہیت کی جو خلیج ہے، اس کی دشواریون سے قطع نظر کرکے جوہر کی اوپر جو تعریف ڈیکارٹ نے کی ہے، وہ بجائے خود وحدت کو مستلزم، اور تعدد و ثنویت کے منافی ہے۔ ایسی ذات، جو اپنے وجود و تعقل مین کسی طرح مطلقاً کسی دوسری ذات کی محتاج و پابند نہو، وہ لازماً نامحدود ہوگی یعنی کوئی دوسرا وجود اُسکی تحدید نہین کر سکتا جسکے معنی یہ ہین، کہ عالم مین صرف وہی ہو سکتی ہے۔ اُسکے علاوہ حقیقی وجود کسی دوسری شے کو نہین حاصل ہو سکتا۔

چنانچہ ڈیکارٹ کے پہلے ہی جانشین اسپنوزا نے جوہر کی اس تعریف ہی سے فائدہ اُٹھا کر ثنویت کا ابطال اور وحدۃ الوجود کا اثبات کیا ہے۔

(۳) ڈیکارٹ نے تصورات کی جو تین قسمین کی ہین، (دیکھو اوپر ص۱۸) اُن مین سے ایک وہ ہین جنکو ہم اپنی فطرت و جبلت کے ساتھ لیکر پیدا ہوتے ہین، یعنی جن کو حواس و تجربہ سے نہین حاصل کیا جاتا، بلکہ جو یوم پیدائش سے ہمارے ذہن مین حاضر و موجود ہوتے ہین۔ ان پیدائشی تصورات یا علم حضوری کا مسئلہ آگے چلکر علمیات (اپسٹمالوجی) و نفسیات دونون کے لیے معرکہ آرائی کا باعث رہا ہے،

یہان صرف اتنی بات یاد رکھنی چاہیے، کہ بعد کو کچھ سوچ کر خود ڈیکارٹ نے یہ کہدیا تھا، کہ جبلی یا خلقی تصورات سے اُسکی مراد صرف خلقی صلاحیت و استعداد ہے" بالکل اسی طرح، جس طرح ہم یہ کہتے ہین، کہ بعض بیماریان بعض خاندانون مین خلقی ہوتی ہین، جس سے ہمارا منشا صرف یہ ہوتا ہے، کہ ان خاندانون کے لڑکے ان بیماریون مین مبتلا ہونے کی صلاحیت اپنی خلقت کے ساتھ لاتے ہین[1]"

(۴) ایک اور بحث طلب جز ڈیکارٹ کے فلسفہ کا "صفات اولیہ" اور "صفات ثانویہ" (جنکو اوپر اعراض سے تعبیر کیا گیا ہے،) کی تفریق تھی۔ اعراض یا صفات ثانویہ کو محض موجودات ذہنی قرار دینے کے بعد (جیسا کہ ڈیکارٹ نے کیا ہے۔ دیکھو اوپر ص۲۳) برکلے کے لیے یہ نہایت آسان تھا، کہ وہ صفات اولیہ کو

[1] "تاریخ فلسفہ" مصنفہ ولیم ٹرنر ص۴۵۰،

بھی تمامتر ذہنی ہی ثابت کر دکھائے،

(۵) سب سے آخری لیکن سب سے اہم شے، جسکو ڈیکارٹ کے سارے نظام کی جان اور روح
رواں کہنا چاہیے، یہ ہے، کہ اس نے وجود واقعی وخارجی کا معیار وجود ذہنی کو قرار دیا ہے۔ جس شے کا
ہم ذہن مین واضح تعقل وتصور رکھتے ہین، وہ واقع اور خارج مین بھی لازمًا پائی جانی چاہیے۔ خدا اسلیے
واقعاً موجود ہے، کہ ہم اپنے ذہن مین ایک "بہمہ وجوہ کامل ہستی" کا واضح تعقل رکھتے ہین۔ امتداد حقیقۃً
جسم وماده مین اسلیے پایا جاتا ہے، کہ اس کے بغیر ذہن مادہ کا تصور ہی نہین کر سکتا۔ نفس یا روح کی حقیقت
فکر وخیال اسلیے ہے کہ اس سے منفک کرکے روح کا تعقل ناممکن ہے۔ ذہن وخارج علم ومعلوم یا عقل ومعقول
کی یہی وحدت وعینیت جرمنی کے کہنا چاہیے کہ خاتم الفلاسفہ ہیگل کے نظام افکار کی رہنما ہے۔

عام ناظرین معارف نے اگر اس مضمون کے پڑھنے کی ہمت کی ہوگی تو اُن کو درد سر کی شکایت
یقیناً ہوگی، لیکن کچھ نہ کچھ لوگ ان خشک وبے مزہ چیزون کا بھی ذوق رکھتے ہین، اور ان صفحات پر انکا
بھی کبھی نہ کبھی حق ہے، اسلیے اگر وہ کسی طرح کی اس سے تھوڑی بہت دلچسپی حاصل کر سکے، تو اس کی
اشاعت کا جو جرم ہمارے سید القلم (اڈیٹر) پر عائد ہوتا ہے، وہ کم از کم ہلکا ضرور ہو جائیگا،

شانتی نیکیتان

کے

چشمدید حالات

(۲)

اسباب قیام | اگر دنیا کی اُن تمام عظیم الشان ہستیون کی تقسیم کیجائے جنکے غیر معمولی دماغون نے
انسانی سوسائٹی کے افکار مین، آرا مین، اوضاع مین، اطوار مین، اخلاق مین، آداب مین اور
طرز معاشرت مین انقلاب پیدا کیا تو ہمین پانچ قسمین ملتی ہین ۔

(۱) مذہبی

(۲) سیاسی

(۳) فلسفی

(۴) ادبی

(۵) اختراعی

(۱) اعاظم رجال عالم کی یہ صنف سب سے زیادہ اہم ہے اسلیے کہ انسانی سوسائٹی کی ساخت
اور طرز معاشرت مین کسی قسم کو اتنا دخل نہین جتنا اسکو، یہی وہ صنف ہے جسنے انسان کی بڑی
بڑی متمرد جماعتون کو ایک آن مین زیر کر لیا، اور اُنکے مختلف طرق زندگی کے اندر ایک لمحہ مین

انقلاب پیدا کر دیا - اسمین دنیا کے تمام وہ انبیاء کرام، مجددین عظام اور بانیان مذاہب شامل ہین جنھون نے بنی نوع انسان کو راہ سعادت وہدایت دکھلائی،

(۲) اگرچہ اس صنف کو وہ درجہ حاصل نہین جو اول کو ہے مگر تاہم ان تمام اقسام مین اسکو دوسرا درجہ حاصل ہے اسلیے کہ مذہبی رہناؤن کے بعد اگر دنیا مین کسی جماعت نے بنی نوع انسان کی زندگیون مین انقلاب پیدا کیا ہے تو وہ یہی سیاسی زعما رہین - اسمین دنیا کے تمام زبردست سیاسیین وفاتحین مثلاً اسکندر اعظم، نپولین، پرنس بسمارک، اور قیصر ولیم وغیرہ شامل ہین،

(۳) یہ قسم اُن لوگون کی ہے جنھون نے انسانی افکار وآرا مین انقلاب پیدا کیا، انسانی عقول کو معقولیت کی راہ دکھائی اور کائنات عالم مین تفکر وتدبر کا طریقہ بتلایا، اس صنف مین دنیا کے بڑے بڑے حکما، مثلاً ارسطو، افلاطون، اور سقراط وغیرہ شامل ہین،

(۴) یہ قسم اُن لوگون پر مشتمل ہے جنھون نے اپنی غیر معمولی ادبی قابلیت سے انسانی جذبات آرا روافکار مین ہیجان وانقلاب پیدا کیا اسمین دنیا کے بڑے بڑے ادیب وشعرا مثلاً ہومر، دانتی، میزینی اور سید جمال الدین افغانی وغیرہ شامل تھے،

(۵) یہ وہ لوگ ہین جنھون نے اپنے ذہنون کی غیر معمولی رسائی وجولانی سے اختراعات کین، ایسے ایسے نوامیس فطرت کا انکشاف کیا جو انسانی نظرون سے بالکل اوجھل تھے اور جنکی وجہ سے انسانی سوسائٹی کی طرز معاشرت، آرا روافکار مین انقلاب عظیم پیدا ہو گیا - اس صنف مین دنیا کے بڑے بڑے مکتشفین، مخترعین مثلاً ٹامس ایڈیسن، میڈم کوری، گلیلو، سینور مارکونی وغیرہ شامل ہین،

موجودہ تمدن ان ہی پانچون اقسام کی عقول کی رسائی اور غیر معمولی ذہانت کا نتیجہ ہے اور انمین سے ہر ایک کی دماغی کوششون اور کامیابیون کے لیے بجا طور پر شکور فطرت انسانی

بھی اپنی دنیوی واخروی سعادت کے لیے انکی رہنمائی کی بہت کچھ مرہون ہے،

آج جس ہستی کی وصف حال مین ہمارا قلم متحرک ہے وہ ہماری ان قائم کردہ صفوف مین سے چوتھی صف مین شامل ہے - اسلیے کہ مدرسہ "شانتی نیکیتان" کے قیام کے منجملہ دیگر اسباب دوجوہ کے ایک بڑی وجہ ہمارے ادیب وشاعر کا یہ طبعی خاصہ بھی ہے،

اسکے علاوہ دوسرا اہم سبب جسکی وجہ سے مدرسۂ مذکور ظہور مین آیا اُن اصولون کی ترویج ہے جنکو ٹیگور کے والد نے "جو بہت بڑے رشی گذرے ہین" سعادت انسانی کے لیے اپنی برسون کی محنت شاقہ، سوچ بچار، اور مراقبۂ وفکر کے بعد دریافت کیے تھے - اور وہ محبت، مساوات، سادگی اور ذی روح اشیاء کو ایذا نہ پہنچانے پر مشتمل ہین جیسا کہ مدرسہ مذکور کی طرز معاشرت اور اصولون وغیرہ سے ہویدا ہے،

تیسرا اہم سبب وہ ناقص مغربی طرز تعلیم ہے جسکا نفاذ مغربیون نے آکر ہندوستان مین بعض اپنی خاص ذاتی اغراض ومقاصد کو پیش نظر رکھکر کیا - اور ڈیڑھ سو برس کے تجربہ کے بعد اب ہندوستان کا ہر ذی شعور دماغ اُسکے نقص کو محسوس کرنے لگا ہے چنانچہ خود ٹیگور اسکے متعلق لکھتے ہین،

اسمین کوئی شبہہ نہین کہ موجودہ طریقہ جو ہماری نئی نسل کو مبادیات وعلوم کی تعلیم دیتا ہے اُنکی معصوم عقلون کے لیے ایک بار گران اور عذاب الیم ہے - پس ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم تہذیب وتعلیم کے اسلوبون کو ایسا نہ بنائین کہ وہ غایت علم کے برعکس نتائج پیدا کرین بلکہ ہمپر لازم ہے کہ ہم اُنکو حتی الامکان سادہ اور فطری بنائین[لہ]"

ایک جگہ اور اس طرز تعلیم کے طلبا کا حال لکھتے ہوئے اسکے نقائص کو زیادہ تفصیل سے

لہ (The American magazine)

بیان کرتے ہین،

"ذہن کو جب اسکی قدرتی غذا صداقت عرصہ تک نہین ملتی نیز آزادی نمو سے اُسے محروم رکھا جاتا ہے، تو اُسمین کامیابی کی غیر قدرتی ہوس پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ ہمارے طلبہ اسی کامیابیٔ امتحان کے خبط کے شکار ہو گئے ہین، اس کامیابی کے معنے یہ ہین کہ کم سے کم علم پر زائد سے زائد نمبر ملجائین، یہ نفس کو حق و صداقت سے بالقصد غداری اور ذہنی بد دیانتی اور اس حماقت کی تعلیم دیتا ہے کہ نفس خود اپنا قزاق بن جائے۔ ساتھ ہی چونکہ ذہن و نفس کے وجود ہی سے ہم غافل کر دیے جاتے ہین، اسلیے ہم اس نتیجہ پر پہنچکر نہایت مسرور رہتے ہین کہ ہم امتحانات پاس کرتے چلے جاتے ہین، خوشی خوشی وکیل، کلرک، پولیس انسپکٹر بنتے چلے جاتے ہین اور نوعمری مین مرتے چلے جاتے ہین[1]،

مقاصد قیام مقاصد کا اکثر حصہ تو اسباب کے بیان مین ضمناً بیان ہو چکا ہے جنکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ایسے اسلوب پر طلبا کو تعلیم دیجائے کہ اُنکے اندر آزادی، راستبازی، صداقت شعاری اور صحیح علمی ذوق پیدا ہو سکے لیکن ساتھ ہی اسکے غیر مناسب نہو گا اگر ہم خود ٹیگور کے اُس اعلان کو یہان پر نقل کر دین جو اُنھون نے مدرسہ مذکور کی صرف چار طالب علمون سے ابتدا کرتے وقت اخبارات و رسائل مین اپنے اس مدرسہ کی غرض بنا کے اظہار کے لیے شائع کیا تھا،

"ملک مین قدیم تہذیب کو زندہ کرنے کے لیے مین نے ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے جس مین طلبا یہ جان لین کہ وہان علوم و فنون مین فوقیت حاصل کرنے سے بھی زیادہ اعلے و برتر کوئی چیز ہے اور وہ ہمارا اپنے آپ کو اچھی طرح پہچان لینا ہے اُس دنیا کے لیے جسمین ہم رہتے ہین۔ میری مراد اس سے تمام اُن لذات و ترفہ کے وسائل کی نفی

[1] معارف نمبر ۵ جلد ۵ صفحہ ۳۷۲

ہے جو موجودہ مدارس مین موجود و رائج ہین اور طلبا کو ایک سیدھی سادہ زندگی پر پرورش کرنا ہے پس اسلیے میرے مدرسہ مین بنچین (تپائیان) نہین ملین گی جن پر طلبا بیٹھین بلکہ درختون کے نیچے خاکی فرش تاکہ اُسمین وہ نہایت سادہ زندگی بسر کر سکین۔

نیز ایک بڑے اور وسیع میدان مین اس مدرسہ کے قائم کرنیسے میری اصل غرض موجودہ تمدن کی مہلک زندگی سے یکسوئی و عزلت ہے تاکہ مین بچون کو نباتات و اشجار مین اسطرح پرورش ہوتے دیکھون جیسا کہ اُنکی زندہ و آزاد طبیعت مستحق ہے بجائے اسکے کہ وہ شہرون کے اندر چار دیوار ونکے حصار مین پرورش پائین۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ مین اپنے اس مدرسہ کے لیے ہمیشہ زیادہ فہیم و ذہین بچون کو ہی قبول کرونگا نہین بلکہ کثرت سے میرے پاس وہ بچے بھیجے جا سکتے ہین جو بلید الفہم ہون اور جنکی تربیت و تعلیم سے اُنکے والدین عاجز آ گئے ہون[1]"!

شانتی نیکیتان اور اخلاق کسی طرز تعلیم کے کامیاب ہونے کے یہ معنے ہین کہ اُسکے طلبہ کے اندر علاوہ صحیح ذوق علمی ثبات و استقلال اور اُولوالعزمی کے اخلاق حمیدہ پیدا ہو جائین۔ اور یہی تعلیم کا اصلی مقصد ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے ادیان و مذاہب کی تعلیم کی اہم ترین غرض و غایت بھی اسی کی تکمیل اور اسی کی تحسین و اصلاح رہی ہے لیکن افسوس کہ ہمارے موجودہ مروجہ طرز تعلیم مین اسیکا فقدان ہے، دنیا مین جسقدر بھی تعلقات مظہر اخلاق ہو سکتے ہین وہ تین قسم کے ہین:۔

(۱) کنبہ یا خاندان کے تعلقات

(۲) دوست و احباب کے تعلقات

(۳) سوسائٹی کے تعلقات

[1] The American magazine

لیکن اگر آج دیکھا جائے تو ہمارے اُن نوجوانون کے غیظ وغضب، بدمزاجی وبداخلاقی کا منظر جو موجودہ یونیورسٹیون سے بڑی بڑی ڈگریان لیکر نکلتے ہین یہی تینون تعلقات پائے جاتے ہین الا ماشاء اللہ اور دوران تعلیم مین تو دوسری مخالف رائے جماعتون در فرقون کے ساتھ جسطرح آپسمین بغض وعناد رکھا جاتا ہے وہ محتاج بیان نہین بلکہ صرف انہی پر موقوف نہین ہمنے تو ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور کالجون اور دار العلومون کے اساتذہ تک کو اسی مرض مین مبتلا پایا،

اسمین کوئی شبہہ نہین کہ اس لحاظ سے شانتی نکیتان کی کامیابی جسقدر بھی مستحق تحسین وآفرین سمجھی جاے وہ کم ہے اسلیے کہ ہم نے وہان پہنچکر ایک ادنی بچے سے لیکر اعلے اُستاذ تک کو اخلاق حمیدہ کا ایک پیکر اور محبت وخلوص کا ایک مجسمہ پایا اور دنیا مین انسانی زندگی وسعادت کے لیے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے،

شانتی نکیتان اور مذہب یہ تو ہمنے مقاصد کے بیان مین بتلایا ہے کہ مدرسہ کے قیام کا ایک بڑا مقصد ایک نئے مذہب کی ترویج واشاعت ہے جو زیادہ تر بدھ مذہب سے ماخوذ ہے اور جسکو ٹیگور کے والد نے ایک عرصہ کے مجاہدہ وریاضت اور مراقبہ کے بعد دریافت کیا تھا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ کے ہر طالب علم کے لیے خواہ وہ کسی مذہب وعقیدہ سے تعلق رکھتا ہو ایسے اُصول کی پابندی مثلاً دینی معاملات مین گفتگو نہ کرنا، مدرسہ کی مقرر کردہ عبادت مین لزوماً حصہ لینا، یا ذی روح اشیاء کو نہ کھانا اور نہ ستانا ضروری قرار دیگئی ہے،

اگرچہ اس جدید مذہب کی عبادت وغیرہ کے عام اُصول نہایت مستحسن اور بظاہر کسی مذہب وعقیدہ کے خلاف نہین ہین مگر اسمین کوئی شبہہ نہین کہ یہ دیگر مذاہب کے عقیدونکو محو کردینے والے اور اُنکے پیرودن کو اپنے مین جذب کرلینے والے ہین جیسا کہ ہمکو بعض مختلف مذاہب کے طلباء کے خیالات وحالات دریافت کرنیسے معلوم ہوا،

اگر اس مدرسہ کو خاطر خواہ کامیابی ہوگئی اور جیسا کہ ٹیگور نے بیس سال سے منصوبہ باندھا ہے یہ مدرسہ بحیثیت ایک بین الاقوامی جامعہ (انٹرنیشنل یونیورسٹی) کے دنیا مین مقبول ہوگیا تو یقیناً کچھ عرصہ کے بعد یہ دنیا مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کردیگا اور عجب نہین کہ گوتم بدھ کی تعلیم کی روح دنیا مین دوبارہ اسکے ذریعہ سے جنم لے۔ اس مدرسہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے طلبا کے اندر جو عزت وعظمت ٹیگور کی شخصیت کی پیدا ہوتی ہے وہ دنیا کی کسی دوسری گرانقدر ہستی کے لیے نہین پیدا ہوئی اور مذہبی حمایت وعصبیت جو باعتدال ہر مذہب کے بقاء وحیات کے لیے لابدی وضروری ہے فنا ہوجاتی ہے جیسا کہ اپنے ایک رفیق کو ہمنے اسکا بے طرح شکار ہوتے دیکھا۔ اسلیے ضرورت اس امر کی ہے کہ جو طالب علم اس مدرسہ مین داخل ہون وہ پہلے سے اپنے عقیدہ ومذہب مین پختہ ومستحکم ہون، ہمارے نزدیک مسلمانون مین اگر ندوہ کی فارغ التحصیل جماعت اسطرف متوجہ ہو تو وہ اسکی پوری طرح سے اہل ہے اور اس سے کما حقہ مستفید ہوسکتی ہے خصوصاً اسلیے اور بھی کہ ندوہ کے نصاب مین انگریزی کی تعلیم بھی ایک حد تک داخل ہے اور انگریزی یا بنگالی زبان سے واقفیت اس مدرسہ سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے لازمی ہے۔ پس کیا ہمارے برادران ندوہ اسکی طرف متوجہ ہونگے؟

شانتی نکیتان اور سیاست آج جو ہم مین سیاسی بیداری کی روح مفقود ہے اور ہم اپنے لیڈرونکے بار بار جگانے پر بھی نہین جاگتے اسکا اصلی سبب علاوہ طریقۂ حکومت کے ہمارے موجودہ نظام تعلیم کا وہ نقص ہے جو ہمین اپنے ملکی پولٹیکل معاملات مین حصہ لینا تو درکنار اُنکے متعلق گفتگو بھی نہین کرنے دیتا۔ ہمارے موجودہ اسکولون اور کالجون کے اندر دوران تعلیم مین ہمین اسکے متعلق قواعد وضوابط، زجر وتوبیخ اور طریق تعلیم سے لا تقربا هذه الشجرة کی تعلیم دیجاتی ہے اور فتکونا من الظالمین کی خاسر ونا کام عاقبت کا خوف بچپن سے ہمارے دلنشین کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے

کر باوجود علوم کے خلعت فاخرہ پہن لینے اور بڑی بڑی قانونی اسناد حاصل کر لینے کے بھی ہمارے اندر سیاسی احساس و شعور نہین ہوتا جو در اصل مغلوب و محکوم شعوب و قبائل کے لیے نور ہدایت ہی اور جسقدر اُسکی روشنی اُنکے اندر پھیلی ہوئی ہوتی ہے اُسیقدر وہ اپنے حقوق سے آگاہ اور اپنے مصالح کی حفاظت و وکالت کے طریقون سے واقف ہوتے ہین چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب ہم دنیا کی سب سے زیادہ آزاد اور حقیقی معنون مین جمہوری حکومت ممالک متحدہ امریکہ کے نظام تعلیم پر نظر ڈالتے ہین تو سیاسیات کی تعلیم کو داخل نصاب پاتے ہین،

یہ جو کچھ عرصہ سے ہمارے موجودہ تعلیم یافتہ نوجوانون مین تھوڑا بہت سیاسی احساس و شعور پایا جانے لگا ہے اور وہ ہمین میدان عمل مین متحرک نظر آنے لگے ہین تو یہ اُنکی تربیت و تعلیم کا نتیجہ نہین ہے بلکہ ہمارے سیاسی لیڈرون اور سیاسی انجمنون کی ان تھک کوششون کا نتیجہ ہے یا نہین تو پھر اُنکے ذاتی شوق و شغف، اور صحافت (جرنلزم) کی کوششون کا۔ اگرچہ ہندوستان کی صحافت حقیقی معنون مین صحافت نہین اسلیے کہ اسکا سنگ بنیاد تقلید یورپ ہے ورنہ موجودہ تمدن کے اس اہم ترین و عظیم الشان فن کی نہ تو ہندوستان مین کسی جگہ باقاعدہ تعلیم دیجاتی اور نہ ہی باوجود یونیورسٹیون کی اس کثرت کے اسکی کہین درسگاہ ہے برخلاف ممالک متحدہ امریکہ کے کہ وہان تقریبًا ہر یونیورسٹی سے ملحق اسکی تعلیم کے لیے ایک درسگاہ ضرور ہوتی ہے جسکا نصاب چار سال کا ہے،

اوّل دو سال مین زیادہ تر عمرانی و اجتماعی علوم کی تعلیم اس ترتیب سے دیجاتی ہے کہ وہ طالبعلم کو موجودہ اجتماعی اور اقتصادی شرائط سے آگاہ کر دے اور اُسکو مافی الضمیر کے اظہار مین مدد پہنچائے اور بقیہ دو سال کا کورس زیادہ تر فن اشاعت، تنقید، مقالات افتتاحیہ، خصائص نویسی[۱]، اور بین الملی تحریرات کی مشق و تعلیم سے متعلق ہے اور اسوقت اس فن کی امریکہ مین سب سے بہترین درسگاہ

[۱] The feature writing

کولمبیا یونیورسٹی (Columbia University) مین ہے[۱]،

خوشی کی بات ہے کہ شانتی نیکیتان مین سیاسیات کو نظر انداز نہین کیا گیا ہے بلکہ وہان جیسا کہ ہمنے گذشتہ صحبت مین کہا تھا کہ طلبہ کے آرار و افکار کو باقاعدہ مگر آزادانہ ارتقا کا پورا موقع دیا جاتا ہے، اُنسے زعامت و قیادت کی مشق کرائی جاتی، اور سیاسی مضامین بھی لکھوائے جاتے ہین، البتہ جس سیاست کی تعلیم دیجاتی ہے وہ وہی ہے جو ٹیگور کی ہے،

ڈاکٹر ٹیگور کی شخصیت ایک جامع شخصیت ہے اور اُنھون نے ایک ہمہ گیر طبیعت و استعداد پائی ہے ایک ہی وقت مین اُنھین شاعری سے بھی ذوق ہے اور ادب سے بھی، سیاست سے بھی اور فلسفہ سے بھی اسلیے وہ ہندوستان کی سیاسیات کے متعلق بھی خاص سیاسی آرار و افکار رکھتے ہین جو ہندوستان کے موجودہ سیاسی اصول سے مختلف ہین۔ اُنھین ہندوستان کی موجودہ و اہم سیاسی تحریک "ترک موالات" سے اختلاف ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اُنھین یا اُنکے متبعین کو موجودہ سیاسی میدان مین نقل و حرکت کرتے ہوے نہین دیکھتے دوران قیام مین ہم سے اور ایک بنگالی بابو سے ملاقات ہوئی تھی جو شانتی نیکیتان مین زیر تعلیم رہ چکے تھے اور ٹیگور کے معتمدین مین سے تھے اور اُسی کمرے مین جسمین کہ ہم ٹھہرائے گئے تھے قیام پذیر تھے اُن سے ٹیگور کے وجوہ اختلاف کے متعلق ہمسے انگریزی مین مفصل گفتگو ہوئی تھی۔ چنانچہ ہم بغرض افادہ اپنی اُس گفتگو کو آیندہ ہدیۂ ناظرین کرینگے،

---

[۱] A Guide book of the Institute of International Education صفحہ ۴۴ (مطبوعہ نیویارک)

مترجمات

کتبخانۂ اسکندریہ

مترجمہ جناب عبدالمجید صاحب صدیقی متعلم جامعہ عثمانیہ

(۲)

لیکن چوتھی صدی کے اختتام کے قریب تھیوفلس کے زیر کمان عیسائیونکے ہاتھون سیرابیم کی قسمت مین بربادی لکھی تھی، ہم پہلے پڑھ چکے ہین کہ ۳۶۶ء کے مذہبی مناقشہ مین مندر برباد ہوا اور لوٹا گیا۔ اس ہنگامہ مین مندر کے کتب خانہ کا فنا ہونا ضروری اور موجہ ہے، جیسے جیسے عیسائیت کو زور ہوتا گیا بت پرستون سے اسکی لڑائیان زیادہ تیز و تند ہوتی گئین،، اسوقت قدرتی طور پر سیرابیم نے کافرونکے لیے قلعے اور جائے پناہ کا کام دیا، اور تھوڑی دیر کے لیے جب موقع انکے ہاتھ آیا تو اپنی جائے وقوع سے فائدہ اٹھا کر انہون نے شہر کو تاراج کیا۔ اور سخت متعصب عیسائیونکو تہ تیغ کیا۔ شہر پناہ کا محاصرہ کر لیا گیا لیکن قبل اسکے کہ معاملات کی صورت نازک ہو جائے اور تلوار کے ذریعہ ہی اسمین فیصلہ ہو اس بات پر تصفیہ ہوا کہ قیصر کے فیصلہ کا انتظار کیا جائے،

تھیوڈوسیس کا جو فرمان آیا اسمین عیسائیون کی سراسر حمایت تھی۔ سیرابیم کے صحن مین دونون مخالف فریق کی موجودگی مین وہ فرمان بآواز بلند پڑھا گیا۔ قدیم مصری بت پرست فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔ عیسائیون نے اپنے پادری تھیوفلس کے زیر رہبری سیرابیس کے بڑے مندر کو منہدم کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۹۱ء کا ہے اور اسمین نہ تو کسی بحث کی ضرورت ہے اور نہ کوئی شبہ ہے،

اسوقت صورت حال بالکل بدل جاتی ہے جب یہ سوال درپیش ہوتا ہے کہ آیا اس بربادی مین کتبخانہ بھی تباہ ہوا؟ اس سوال کا کوئی تشفی بخش جواب نہین دیا جا سکتا[1]۔ بلکہ بہت کچھ بحث مباحثہ کا محتاج ہے۔ ایک غور کرنے والا، ثبوت کے صرف چند اجزا کی تنقید کر سکتا ہے۔ اس امید مین کہ وہ اس مطلوب نتیجہ کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اسمین تو مطلق شبہہ نہین ہے کہ مندر ۳۹۱ء مین بالکل برباد ہو گیا جسطرح یونیپیس بیان کرتا ہے کہ وہ زمین کے برابر کر دیا گیا اور ایک یا زیادہ عیسائی کلیسا وہان بنا دیے گئے۔ ممکن ہے کہ اسمین کچھ مبالغہ بھی ہو تاہم اسوجہ سے کہ کوئی قابل اطمینان ثبوت اس بارے مین نہین ملتا کہ مندر کی بربادی کے ساتھ کتب خانہ بھی برباد ہوا، لازمی طور سے ذیل کی دو شقون مین سے ایک شق کو ثابت کرنا اس بات کے لیے ضروری ہوگا کہ کتب خانہ بھی اسمین برباد ہوا۔ (۱) یا تو وہ کتب خانہ مندر مین رکھا گیا تھا (۲) یا تمام عمارتین جو شہر پناہ مین واقع تھین انکو عیسائیون نے تھیوفلس کے زیر ہدایت تباہ کر دیا۔ ان شقون مین سے دوسری

[1] بعض مصنفین نے تشفی بخش جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ نورسین بے کتاب [illegible] صفحہ ۱۱ پر کہتا ہے کہ "جب عیسائی فوج نے سیرابیم پر قبضہ کیا (اسکا سنہ ۳۸۹ء بتاتے ہین) کتبخانہ نہایت قاعدہ سے لوٹا گیا اور کتابین روم اور قسطنطنیہ بھیجی گئین" یہان تھیوڈوسیس کتابونکا بڑا ذخیرہ جمع کر رہا تھا، مین یہ نہین کہہ سکتا کہ اس بیان کی دلیل کیا ہے۔ پروفیسر برے نے گبن کے اپنے اڈیشن مین جلد ۳ صفحہ (۴۹۵) ضمیمہ مین جو اپنا خیال ظاہر کیا ہے وہ بالکل مختلف ہے، کہتا ہے "مین اس نتیجہ پر پہنچا ہون کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہین ہے کہ مسلمانون کے حملہ تک سیرابیم کا کتبخانہ باقی نہین رہا۔ اسمین کوئی شک نہین کہ گبن خود اس بات کو یقین کرتا ہے کہ کتب خانہ کو عربون نے عمروؓ کے زیر کمان تباہ نہین کیا بلکہ عیسائیون نے فلس کے زیر کمان تباہ کیا" ڈاکٹر لوئی نورسین بے ضرور اس بات مین متفق ہین کہ سنہ ۳۹۱ء سے قبل کتبخانہ منتقل کیا گیا، مگر بالکل ٹھیک کہتا ہے کہ "بربادی حد کو پہنچ گئی۔ نہ صرف سیرابیم کے رہنے والونکی خانقاہ بلکہ اسکے بہت سے متعلقات سکونت کے کمرے، صحن، جلسہ گاہ اور کتبخانہ جو چھ صدیونکے پہلے کے قائم شدہ تھے، برباد کر دیے گئے" (Bool. d. Alexandrina) صفحہ ۳۲، دیکھو اسکا خیال ہے کہ ان عمارتونکی تباہی بہت خفیف تھی اور بہت جلد انکی مرمت ہو گئی اور وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جیسے جیسے میوزیم کی یاد دھندلی ہوتی گئی سیرابیم ازروے روایت اور درواقعہ اسکی قائم مقام ہوتی گئی، اور اس نئی بنیاد مین بتقدیر عروج ہوکر عروج کو پہنچی کیونکہ اسمین اچھا خاصا کتب خانہ تھا۔

شق آسانی سے مسترد کیجا سکتی ہے۔ مین بتا چکا ہون کہ بارھوین صدی کی طویل مدت تک اس عمارت کے چند شاندار آثار قائم تھے۔ ان آثار کی ٹھیک جگہ اسی طرح نامعلوم ہے جس طرح ان کی غرض و غایت[1] اور اسکے ساتھ ان آثار سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ اگر کتبخانہ ان مکانات مین تھا تو انکے ساتھ اسکو بھی باقی رہنا چاہیے تھا۔ تاہم کسیقدر صاف اور بیّن ثبوت ہمکو ملتا ہے جس سے کتب خانہ کی ٹھیک جگہ معلوم ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیون نے کسقدر بربادی ڈھائی، کیونکہ ایک طرف تو ہمارے پاس افطونیس کی شہادت موجود ہے جو چوتھی صدی مین بربادی سے چند سال پہلے سیرایم مین آیا تھا[2]۔ دوسری طرف روفینس کا ثبوت موجود ہے جو

[1] بنجامن آف ٹوڈیلا کی تحریر نقل کرکے مسٹر جو نتیجہ نکالتا ہے اسکا مین سختی سے مخالف ہون۔ بنجامن کے الفاظ یہ ہین "شہر کے باہر ارسطو کا اسکول ہے جو سکندر کا اتالیق ہے وہ ایک بڑی اور خوشنما عمارت ہے جسکے ہر مدرسہ مین سنگ مرمر کے آراستہ ستون ہین۔ یہان ایسے تقریبا بیس مدرسے ہین جہان ارسطو کے معلومات سے مستفید ہونے کے لیے دنیا کے ہر حصہ سے لوگ آتے ہین" اس تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بارھوین صدی مین باقیماندہ خوشنما عمارات مین چند دالان یا کمرے تھے جو ایک سلسلۂ ستون سے وابستہ تھے۔ مگر اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ یہ کمرے فلسفہ کے طالبعلمونکے استعمال مین تھے، روایۃً ارسطو کا نام سیرپیم کی عمارت کے ساتھ وابستہ ہوگیا تھا۔ اسلیے باقیماندہ عمارت کے ساتھ بھی اوقت وابستہ تھا جبکہ بنجامن نے اپنی تاریخ لکھی ہے مگر کسیطرح ثابت نہین ہوسکتا کہ باقیماندہ عمارتون مین کوئی خاص عمارت مطالعہ کے لیے وقف تھی اسکا ثابت کرنا قطعی ناممکن ہے کہ انہین کتبخانہ رکھا گیا تھا۔ اسکے علاوہ مین کہہ سکتا ہون بنجامن کی یہان اسکے سابق مصنف سے کوئی تطابق نہین رکھتا۔ وہ مصنف کہتا ہے کہ "سیرپیم ایک کھنڈر ہے سوائے دیوارون اور ستونون کے اسمین کچھ باقی نہین ہے" اب اصلیت بالکل ظاہر ہوگئی کہ چوتھی صدی مین مندر کا مرکزی حصہ بالکل ملیا میٹ ہوگیا تھا اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ بارھوین صدی مین صرف چند ستون کھڑے رہ گئے تھے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جن ستونون کی طرف اشارہ کیا گیا ہو وہ فصیل کی بیرونی قطار سے متعلق ہین مندر کے متعلق نہین ہین

[2] مسٹر [illegible] کی کوشش کرتا ہے کہ افطونیس کے شہر مین آنے کو ۳۹۱ء مین ثابت کرے مگر خود افطونیس کی تحریر سے جو مشکل آپڑتی ہے اوس سے بچنا مشکل ہے کیونکہ وہ شامی مصنف کہتا ہے کہ مندر کے متعلقات ستونونکے سلسلہ کے ساتھ اندر واقع ہین جیسے کتبخانہ اور طالبعلمون کے استعمال مین تھا اور دوسرا حصہ قدیم دیوتاؤن کی عبادت کیلیے وقف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افطونیس نے یا تو کافرونکے مندر کی بربادی کے بعد یہ کیفیت لکھی ہے یا عیسائیون نے سیرپس کی خانقاہ کو برباد کرنیکے بعد کافرونکی خانقاہون سے چشم پوشی کی ہے۔ آخری پہلو حقیقتا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے مگر اسکو صداقت پسند لوگ نہین مان سکتے اور اسمین تاکیدی ثبوت ہے، سوزومن کہتا ہے کہ جبسے سیرپیم پر قبضہ ہوا اسوقت مصنف کے وقت تک سیرپیم عیسائیونکے قبضہ مین رہا۔

بربادی کیوقت وہان موجود تھا اور اسکے بعد اسنے اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے، یہ دونون بیانات ایک دوسرے کی تائید کرتے ہین۔ مگر یہ قابل تعجب ہے کہ افطونیس مندر کے متعلق بالکل خاموش ہے، اور روفینس کو کتب خانہ کے متعلق بالکل سکوت ہے، لیکن یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ افطونیس برخلاف دوسرے مقامات کے جو شہر پناہ پر قائم تھے کتب خانہ کو مندر کے ساتھ وابستہ بتلاتا ہے اور جسوقت وہ وہان آیا تھا کتب خانہ موجود تھا، اور ناظرین مطالعہ کرنے کے لیے آیا کرتے تھے لیکن اگر کتب خانہ مندر کی عمارت کا ایک حصہ تھا تو جسوقت مندر بالکل تباہ ہوگیا تو یہ کہنے کیلیے کہان گنجائش ہے کہ اسکے ساتھ کتب خانہ فنا نہین ہوا مندر پوری طرح سے تباہ ہوگیا، یہانتک کہ بنیادون تک تمام حصہ منہدم ہوگیا۔ روفینس کہتا ہے کہ "عیسائیون نے سیرایم مین تباہی ڈھائی اور اسکے مجسمون پر جنگ کی چونکہ بڑی بڑی چٹانون کا حرکت دینا مشکل تھا اسلیے اسکی بنیادین ویسی ہی چھوڑ دی گئین"۔

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے تھیوڈوریٹ کہتا ہے کہ بتخانے جڑ سے اکھیڑ دیے گئے سقراط کہتا ہے کہ شہنشاہ کا حکم تھا کہ اسکندریہ مین کافرون کے جسقدر مندر ہین انکو منہدم کردیا جائے اور تھیوفلس نے سیراپس کے مندر کو منہدم کردیا اور پھر کہتا ہے کہ مندر تو منہدم کردیے گئے مگر برنجی مجسمے خانگی ظروف[1] بنانے کے لیے پگھلا دیے گئے۔ یہی مصنف ان پتھرون کے دریافت ہونے کا واقعہ بیان کرتا ہے جنپر مصری حروف کندہ تھے اور جو سیراپس کے مندر کے انہدام کے اثنا مین برآمد ہوئے۔ سوزومن

[1] (Supra) صفحہ (۳۰۱)

[2] تھریم ایک مندر تھا جہان ایرانی وحشیانہ مراسم ادا ہوتے تھے۔ مگر یہ بات ثابت کرنے کے لیے کوئی مواد نہین ہے کہ وہ قلعہ پر تھا شہنشاہ نے اس جگہ کو خاص وقعت دی تھی اور اسکو کلیسا بنادیا تھا چنانچہ سوزومن ڈیائی سس کے مندر کے متعلق کہتا ہے کہ وہ گرجا کی شکل مین بنایا گیا تھا،

کے بھی یہی الفاظ[1] ہین۔ وہ عیسائیون کے متعلق بیان کرتا ہے کہ ان لوگون نے سیرایم کے معابد کو فتح سے لیکر تھیوفلس کے زمانہ تک مسلسل سیرایم مین بود و باش کی۔ یہ واضح رہے کہ یہ سب مصنفین چوتھی صدی کے اوائل مین گذرے ہین، یہ سب ایک دوسرے کے معاصر ہین۔ اس بات کا افسوس ہے کہ انھون نے واضح طور سے یہ نہین بیان کیا کہ کتب خانہ کا کیا حشر ہوا، اور نہ دیگر عمارتون کا جو شہر پناہ پر قائم تھے کسی نے ذکر کیا۔ مگر روفینس نے اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے کیونکہ اسنے ان بیرونی عمارات کے سلسلہ کا ذکر کیا ہے جو سطح مرتفع کے کنارے تھے اور صدمہ سے محفوظ تھے گو وہ پہلے کے کافر باشندون سے خالی تھے۔ لیکن وہ اسبات کو صاف طور سے بیان کرتا ہے کہ جب یہ بیرونی قطار مع اپنے درس اور سکونت کے کمرون کے باقی رہی تو ضروری ہوا کہ صرف مندر ہی نہین بلکہ متعدد ستون والا پیش دالان جو اسکے متصل تھا زمین کے برابر کر دیا گیا[2] اس بحث کا حسب ذیل نتیجہ نکلتا ہے، یعنے یہ ثابت ہوا کہ کتب خانہ ایسے کمرون مین رکھا گیا تھا جو قدیم مصری دیوتاؤن کے مندرون کیطرح مندر کی عمارات کا ایک حصہ تھے اور نیز یہ ثابت ہوا کہ مندر کی عمارت بالکل تباہ و برباد ہو گئی اسلیے کتب خانہ کا بھی وہی حشر ہونا لازمی تھا[3]،

یہان یہ اعتراض پیش ہو سکتا ہے کہ کمرون کے جلنے سے یہ لازم نہین آتا کہ کتابین بھی

[1] ابتدائی نوٹ اور مستزاد دیکھو (صفحہ ۳۰۵)

[2] روفینس کے فقرے مین نے پہلے ہی نقل کیے ہین ([illegible] صفحہ ۱۰۳) چونکہ ڈاکٹر بوٹی کے پاس اصلی لاطینی نسخہ نہین تھا وہ لافینس کا صحیح ترجمہ شہادت مین پیش کرتے ہین وہ بالکل ٹھیک کہتا ہے کہ چونکہ مندر کی تباہی روفینس کی چشم دید ہے تو اسکی تحریر مین جو زمانہ ماضی آئے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ اس چیز کے متعلق ہے جو اسکی تصنیف کے وقت موجود نہین تھی اور زمانہ حال آئے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ تحریر کے وقت موجود تھی،

[3] یہان مین یہ کہہ سکتا ہون کہ جان فلافونس نے ابوالفرج کے دباؤ سے یہ کہا ہے کہ کتابین شاہی خزانہ مین موجود نہین۔ یہ بیان بالکل غلط ہے سیرایم کے کتب خانہ کو شاہی خزانہ کہنا بالکل غلط ہے،

جل گئی ہون۔ واقع مین یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کپوڈیشا کے جارج نے اس سے تقریباً تیس سال پہلے جبکہ تھیوفلس کے ماتحت عیسائیون نے سیرایم کو فتح کیا تھا بذات خود کتابین منتقل کر لی تھین اور یہ بھی تحقیق سے بیان کیا جاتا ہے کہ فتح کے بعد کتابین گٹھریون مین قسطنطنیہ بھیجی گئین[1] مگر اس بات مین شک ہے کہ آیا وہ شورہ پشت جماعت جس نے سیرایس کے مجسمے کو ٹکڑہ ٹکڑہ کر دیا اور اسکے ٹکڑون کو اسی مقام پر جلا دیا[2] یہان تک کہ وہ مہتم بالشان مندر جو دنیا بھر مین لاجواب تھا اسکا ایک پتھر بھی باقی نہین رکھا اس قابل تھی کہ ان علمی خزانون کا لحاظ کرتی۔ کیونکہ یہ تمام کتابین کافرونکی تھین اور ایک بڑے بت کی حفاظت مین تھین۔ چونکہ ان ہمعصر مصنفین کا سکوت کتب خانہ کے متعلق قابل تعجب ہے اسلیے ہم بلا تامل اس بات پر یقین کر سکتے ہین کہ کتابین اس آگ کی نذر ہو کر فنا ہو گئین[3] جسمین سیرایس کا بت جل گیا۔ برخلاف اسکے یہ خیال کرنا مہمل ہے کہ وہ کتابین آگ سے بچائی گئین اور دربار شاہی مین روانہ کر دی گئین۔ اسمین کوئی شک نہین کہ اروسیس کے بیان کا اقتباس بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ہے کہ اسنے سیرایس کی خالی الماریون اور کتابدانون کو دیکھا تھا۔ اگر یہ اقتباس درست ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۴۱۶ء تک جبکہ اروسیس نے اپنی تصنیف لکھی ہے کتابین غائب ہو گئی تھین اور کتب خانہ کی عمارت باقی تھی مگر یہ صحیح نہین ہے

[1] دیکھو ([illegible]) صفحہ (۳۱۳)

[2] کتاب ([illegible]) مین صفحہ ۲۲ پر تھیوڈوریٹ صاف کہتا ہے کہ وہ بت جو صرف لکڑی کا بنا ہوا تھا وہ اسطرح بدسلوکی کا شکار رہا کہ اسکا سر شہر کے اطراف گھسیٹا گیا۔ مائیکل کی عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے،

[3] ڈاکٹر بوٹی اس خیال کی طرف مائل معلوم ہوتے ہین کہ اسکندریہ مین جو کتب خانہ جلا وہ ٹراجینم کا کتبخانہ ہے جسکے متعلق سوئیڈاس نے بیان کیا ہے کہ آگ جو دین نے جلا دیا۔ حالانکہ سیاق و سباق سے واضح ہے کہ وہ وقعہ انطاکیہ سے متعلق ہے۔

جن الفاظ سے وہ مطلب نکالا جاتا ہے وہ خلاف واقعہ ہے کیونکہ اوس نے سیرایم کا کوئی تذکرہ نہین کیا جو اصلی نمائشگاہ کا کتب خانہ تھا۔ اسکے متعلق وہ ذکر کرتا ہے کہ اسکی کتابین آگ سے تباہ ہوئین اور وہ سطحی طور پر اسطرح بیان کرتا ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بعض مندرون مین ابتک کتابون کی الماریان خالی نظر آتی ہین اور نیز یہ تسلیم کر لیا جاے کہ یہ ہمارے زمانہ مین جبر و تشدد سے خالی کی گئین تو یہ واقعات ثابت کرتے ہین کہ کتب خانے موجودہ زمانہ مین موجود تھے مگر یہ ثابت نہین کرتے کہ یہ کتب خانہ باقی رہ گیا جو قدیم نمائشگاہ کے کتب خانہ کا ایک جز ہے، چونکہ وہ ایک علٰحدہ مکان مین تھا، اسلیے وہ آگ سے بچ گیا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری کتابین قدیم کتب خانہ کی تقلید مین آتشزدگی کے بعد کسی اور وقت جمع کی گئین۔ یہ تھی اروسیس کی بحث اس سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ بطلیموسی بیرونی کتب خانہ کا کوئی حصہ آگ سے نہین بچا۔ مسٹر اور دوسرون کے اعتراض کے موافق اسمین سیرایم کی طرف کوئی ایماؔ نہین ہے، یہ بالکل ٹھیک ہے

سلہ ر ۷۱ تمدن عرب) مین صفحہ (۱۵) اور (۱۶) پر اروسیس نے سیزر کی آتشزدگی سے کتبخانہ کی بربادی کا تذکرہ کر کے بہت کچھ لکھا ہے۔ عبارت صاف نہین ہے مگر حسب ذیل مطلب نکلتا ہے "تاہم اس موقع پر یہ کہنا صحیح ہے کہ موجودہ زمانہ مین چند مندرون مین خالی الماریان ہین مین نے خود اپنی آنکھون سے دیکھا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے زمانہ مین ہمارے لوگون نے انکو خالی کیا اور برباد کیا۔ اسکے علاوہ قابل اعتماد روایت یہ ہے کہ آتشزدگی کے بعد دوسرے ذخیرے جمع کیے گئے تاکہ علم کے قدیم ذوق کو تازہ رکھین یہ بات غلط ہے کہ کوئی اور کتب خانہ ابتدا ہی سے قائم تھا اور چار لاکھ کتابون سے علٰحدہ تھا اور اسی علٰحدگی کیوجہ سے محفوظ تھا،

ٰ مسٹر نے جو اس مسئلہ پر بحث کی ہے وہ ناقابل اعتماد ہے جان فلوفونس کی تحریر کا اقتباس پیش کرتا ہے کہ علم تقسیم کی چالیس کتابین موجود تھین مسٹر اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ کتابون کا ایک نیا ذخیرہ موجود تھا۔ لیکن جب وہ امیانس کا اقتباس پیش کرتا ہے کہ علم تقسیم کی چالیس کتابین اور معقولونکی دو کتابین موجود تھین تو یہ ثابت کرتا ہے اور بجا ثابت کرتا ہے کہ پانچوین صدی تک نمائشگاہ کے کتب خانہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر یہ نہین کہ کوئی دوسرا کتب خانہ بھی موجود تھا۔

بلکہ اس سے اور مزید روشنی پڑتی ہے کیونکہ اروسیس کی عبارت سے جو صریح نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانہ مین جبکہ اسنے اپنی کتاب لکھی ہے، اسکندریہ مین کوئی بڑا اور قدیم کتب خانہ موجود نہین تھا۔ اگر سنہ ۴۱۶ء مین کوئی کتب خانہ سیرایم مین موجود ہوتا تو بھلا یہ بات سمجھ مین آسکتی ہے کہ اروسیس اپنے سلسلۂ خیالات کے قلم بند کرنے مین جسکو مین نے بیان کیا ہے اسکو خاموشی سے چھوڑ جائے اروسیس کا بیان اس بات کی قوی شہادت ہے کہ سنہ ۴۱۶ء مین کوئی کتب خانہ موجود نہین تھا نہ اسکی شہادت کہ سنہ ۳۹۱ء مین سیرایم کتبخانہ کی بربادی ہوئی تاہم یہ زیر بحث نکتہ کہ ساتوین صدی مین کتب خانہ موجود نہین تھا ابھی پایۂ تکمیل کو نہین پہونچا۔ بیشک یہ بات کسی کے سمجھ مین نہین آتی کہ اسکندریہ کی تمام کتابین فنا ہو گئین۔ کیونکہ بڑی بڑی لڑائیون مین بھی جنکا رخ کتابون کی طرف تھا بہت سی کتابین باقی رہ گئین، ان لڑائیون مین ایک تو وہ لڑائی ہے جو ڈیاکلیشن نے عیسائیون کے ساتھ کی، دوسری تھیوفلس کی ہے جسنے کافرون کی کتابونکی بربادی کا بیڑا اٹھایا تھا، ان بڑے عام کتب خانون کے تباہ ہو جانے کے بعد بھی چند جلدین خانگی ذخیرون مین اور بہت ساری دور دراز خانقاہون کے کتب خانون مین باقی رہنا چاہیے تھین۔ یہ واقعہ کہ اسکندریہ کی تعلیم و تعلم کا شغلہ ہنوز برقرار تھا خود بتلاتا ہے کہ ضرور کتابین استعمال مین ہونگی۔ لیکن اگر سیرایم کا بڑا کتب خانہ ساتوین صدی مین موجود تھا تو بھلا یہ کسطرح ممکن ہے کہ پانچوین یا چھٹی صدی کا کوئی بھی مورخ ایسا پیش نہین کیا جاسکتا ہے جسنے وضیح طور پر اسکے متعلق کچھ لکھا ہو۔ ایک خاص مثال تو مین پہلے بتا چکا ہون کہ جان ماسکس اور اسکا دوست سوفرونیس عربون کے اسکندریہ فتح کرنے کے چند سال پہلے مصر آئے تھے، اور یہ بھی بتا چکا ہون کہ ان دونون علما مین کسقدر علمی ذوق تھا یہانتک کہ جو چیز کتاب کی شکل مین انکے سامنے آتی تھی بغیر مطالعہ کے نہین رہتی تھی۔ اسمین کوئی شک نہین کہ انکی بہت تصنیفات ہین اور مصر مین انھون نے بہت

سیاحت کی اور مدت تک وہان رہے۔ انکی کتابون مین خانگی کتب خانون کا کچھ تذکرہ تو ہے مگر ان بڑے کتب خانون کے متعلق انہین کسی بات کی تلاش کرنا بیکار ہے۔ دو صدیان اسیطرح گذر گئین اور کسی مورخ نے انکے متعلق کچھ نہین لکھا۔ یہانتک کہ یہ مدت جان ماسکس اور سوفرونیس پر ختم ہوگئی۔ انھون نے بھی کوئی تذکرہ نہین کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عرب اسکندریہ مین داخل ہوئے ہین اسوقت وہان کوئی بڑا پبلک کتب خانہ موجود نہین تھا،

ایک یا دو امور اور غور طلب باقی ہین۔ تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لو کہ تذکرہ بالا بحث سیراپیم کے کتب خانہ کے نظریہ کو نہین توڑ سکتی اور یہ بھی فرض کر لو کہ عرب جب اسکندریہ مین داخل ہوئے ہین اسوقت کتب خانہ جون کا تون قائم تھا۔ باوجود اسکے مین ثابت کر سکتا ہون کہ عربون سے اسکا تباہ ہونا قطعی ناممکن ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ چونکہ عرب اسکندریہ فتح ہونے کے گیارہ مہینے بعد شہر مین داخل ہوئے اور اطاعت کے عہدنامہ مین واضح طور پر اس امر کا تصفیہ مندرج کیا گیا کہ اس دفعہ مین رومی نہ صرف شہر چھوڑ کر چلے جاسکتے ہین بلکہ اپنی منقولہ جائداد اور قیمتی چیزونکو بھی اپنے ساتھ لیجاسکتے ہین۔ اس عرصہ مین سمندر مین کوئی روک ٹوک نہین تھی۔ قسطنطنیہ اور دیگر بندرگاہون کے راستہ مین کوئی رکاوٹ نہ تھی اگر اسوقت سیراپیم کا کتب خانہ موجود ہوتا تو کتابونکی صرف بازاری قیمت بھی بے انتہا ہوتی۔ بیسیون آدمی جنھین علم کا ذوق ہوتا انکی بیحد قدر کرتے اور یہ علم دوست لوگ کیون ان کتابونکو ریگستانی سپاہیون کی جہالت کے نذر کرتے جنکے حوالے شہر ہو رہا تھا۔ بلکہ وہ ان بیش بہا خزانونکو اپنے یہان لیجاتے اور اسکے لیے انکے پاس خاصہ موقع تھا۔ اور اسطرح وہ جان فلاڈونس کی علمی ذوق کی بے بنیاد شہرت پہلے ہی سے خود حاصل کر لیتے۔

اخیر مین یہ کہنا باقی ہے کہ پانچوین یا چھٹی صدی کے مصنفین نے کتب خانہ کے متعلق

سکوت اختیار کیا ہے وہ فتح کے بعد بھی اسیطرح باقی رہتا ہے۔ ساتوین یا آٹھوین صدی مین مصر مین کوئی عرب مورخ نہین گذرا۔ یہ اعتراض ہونا ممکن ہے کہ بعد کے مورخین نے کتب خانہ کی آتشزدگی کو چھپانے کی کوشش کی ہو لیکن یہ قسطی پادری جان آف نیکیو کے متعلق نہین کہا جاسکتا، کیونکہ وہ ایک عالم شخص تھا اور اسکی تصنیف ساتوین صدی کے اختتام کے پہلے کی ہے اسکی تصنیف کی ضخامت اور شرح و بسط ثابت کرتی ہے کہ فتح اسکندریہ کے پچاس سال بعد کے جتنے ماخذ تھے وہ ان سب سے واقف تھا ابوالفرج خود جسنے یہ الزام لگایا ہے ثابت کرتا ہے کہ سنہ ۶۵۰ء مین اسکندریہ طالب علمون کا مسکن تھا کیونکہ جیمس آف اڈیسہ کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ "وہ یونانی زبان کی مکمل تعلیم حاصل کرنے اور شام کی خانقاہ مین انجیل کا مطالعہ کرنے کے بعد اس غرض سے اسکندریہ آیا تھا کہ اپنے علم کی تکمیل کرے"۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چند خانگی اور خانقاہونکے کتب خانے جسطرح فتح کے پہلے تھے اسیطرح بعد بھی قائم رہے اگر فتح اسکندریہ سے پہلے کوئی بڑا پبلک کتبخانہ رہتا اور عرب اسکو اثنائے فتح مین جلائے ہوتے تو یہ ممکن نہین ہے کہ جان آف نیکو جو تقریبًا اسی زمانہ کا مصنف تھا اور اسکندریہ کے قبضہ کے متعلق ذری ذری بات بھی نہین چھوڑتا ایسے واقعہ کو فراموش کر جاتا جس سے نہ صرف اسکی تاریخ بہترین مواد سے محروم رہتی بلکہ علمی دنیا ہمیشہ کے لیے ایسے عظیم الشان ذخیرہ اور قیمتی خزانہ سے جدا ہوگئی

اب اس تمام بحث کو اختصار کے طور پر دہرانا نامناسب نہ ہوگا۔ جس قصہ کی بنا پر عرب کتب خانۂ اسکندریہ کی آتشزدگی کے ملزم ٹھہرائے جاتے ہین اسکی سچائی اور جھوٹ کے چہرہ سے پردہ اُٹھانا مقصود تھا۔ اس مسئلہ پر مین نے حسب ذیل مدات مین بحث کی ہے،

(۱) جس واقعہ کے متعلق وہ قصہ ہے اسکے ظہور پذیر ہونے کے پانسو سال سے بھی بہت

بعد لکھا گیا ہے،

(۲) جب اس قصہ کی تفصیل کی چھان بین کیجاتی ہے تو محض لغویات کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے،

(۳) اس قصہ مین جو شخص سب سے پہلے اہم حصہ لیتا ہے وہ جان فلافونس ہے (یحیی النحوی) جو مسلمانوں کے مصر پر حملہ آور ہونے سے بہت پہلے مرچکا تھا،

(۴) ان دو بڑے کتب خانون مین سے جنکی طرف قصہ کا روئے سخن ہے ایک نمائش گاہ کا کتب خانہ ہے جو جولیس سیزر کی آتش زدگی کے نذر ہوا یا اگر اسوقت نہین تو ایسے وقت جلا ہوگا جو عربون کی فتح سے چار سو (۴۰۰) سال سے قبل ہونا ضروری ہے۔ دوسرا سیرابیم کا کتب خانہ ہے جو یا تو ۳۹۱ء سے پہلے ہی منتقل کردیا گیا یا اسوقت منتشر کردیا گیا یا برباد کردیا گیا۔ اسلیے وہ کتب خانہ ہر حالت مین عربون کی فتح سے ڈہائی صدی پہلے ہی سے غائب تھا،

(۵) پانچوین چھٹی صدی اور اوائل ساتوین صدی کی تاریخون مین کسی کتب خانہ کے وجود کا تذکرہ نہین پایا جاتا،

(۶) اگر اسوقت جبکہ سیرس نے اطاعت اسکندریہ کے متعلق سر تسلیم خم کیا تھا کوئی کتب خانہ موجود رہتا تو کتابونکا منتقل ہونا ضروری تھا، کیونکہ اس عہدنامہ مین اس امر کی اجازت تھی کہ لوگ اپنے ساتھ قیمتی چیزین لیجا سکتے ہین اور عہدنامہ پر دستخط ہوئے اور عربونکے عملی طور سے شہر مین داخل ہونے کے درمیان گیارہ مہینہ کا وقفہ عارضی صلح کا گذرا ہے،

(۷) اور اگر وہ کتب خانہ منتقل کردیا جاتا یا برباد کردیا جاتا تو اس وقت کے مورخ خصوصاً جان آف نیکیو جیسا عالم کبھی اسکے غائب ہونے کو اس سکوت کے عالم مین نہین چھوڑ جاتا۔ اس تمام بحث سے جو نتیجہ نکلتا ہے اب اسمین مزید شبہہ کی گنجائش

نہین ہے۔ رینا ڈٹ کا شبہہ اور گبن کا انکار کلی بلا وجہ نہین ہوسکتا۔ ہر شخص بآواز بلند یہ کہہ سکتا ہے کہ ابوالفرج کی حکایت بالکل جھوٹی ہے جو کسی تاریخی بنیاد پر نہین قائم کی گئی۔[1]

---

[1] اس بحث سے میرا مقصود عربون کی حمایت نہین ہے بلکہ اصلیت کا اظہار ہے۔ حمایت کی کوئی ضرورت نہین معلوم ہوتی۔ اگر اسکی ضرورت ہے تو یہ کام معذرت کے پیرایہ مین بخوبی انجام دیا جا سکتا تھا، کیونکہ عربون نے بعد مین یونانی اور رومی کتابون کا جو انہین دستیاب ہوئین ایک خاصہ ذخیرہ جمع کیا تھا، اور انہین قدردانی سے رکھا اور اکثرون کا ترجمہ کر ڈالا۔ حقیقت مین اسطرح انھون نے ایک مثال قائم کی ہے جسکی موجودہ فاتحون کو تقلید کرنی چاہیے۔ سیڈیو اپنی فرانسیسی کتاب مین بیان کرتا ہے کہ جب "فرانسیسیون نے افریقہ مین شہر کانسٹنٹین کو فتح کیا تمام کتابونکو جو انہین ہاتھ لگین، جلا دیا۔ جب انگریزون نے میگڈالا فتح کیا وہان انہین حبشی کتابون کا ایک بڑا کتب خانہ ملا جسکو وہ لے گئے، لیکن بہت بڑا حصہ اسکا وہین راستہ کے ایک جانب گرجا مین چھوڑ گئے۔ کیونکہ انکی نقل و حرکت دشوار تھی اور ساتھ لیجانے کے لیے جن کتابون کا انتخاب ہوا وہ بالکل اٹکل پچو ہوا۔ مگر باقی ماندہ کتابونکی اہمیت سے ان تمام علمی کتابونکا اندازہ ہوسکتا ہے جو چھوڑ دی گئین اور جن سے علمی دنیا محروم ہوگئی۔ اور انگریزی نمائش گاہ جان آف نیکو کے ان علمی خزانون مین سے صرف ایک خزانہ ہے جو اس افراتفری کے عالم مین بچا لیا گیا،

تلخیص و تبصرے

حکمائے اسلام

ایک فرنچ مستشرق نے پانچ ضخیم جلدون مین تاریخ حکماء اسلام مرتب کرنے کا قصد ظاہر کیا ہے جسکی دو جلدین حال مین شائع بھی ہوگئی ہین۔ بمبئی کے پارسی فاضل جی کے نریمان نے کرانیکل (بمبئی) کے صفحات مین انپر اپنا تبصرہ شائع کیا ہے، جسکا ملخص ترجمہ یہان درج کیا جاتا ہے

فرانس نے حال مین اسلام و نظامات اسلام سے اپنی مناسبت و دلچسپی کے چند نمایان ثبوت دیے ہین۔ چنانچہ پیرس مین جو مسجد تعمیر ہوئی ہے، اور اسکے اردگرد جو تعلیمی عمارتین تیار ہورہی ہین، ممکن ہے کہ عمق تعلیم و تحقیق کے لحاظ سے انکا نمبر قاہرہ کی نہایت قدیم جامع ازہر سے کہین آگے بڑھ جائے۔ اختتام جنگ کے بعد سے فرانس و جرمنی کے درمیان، ٹرکی اور اسکی تہذیب کی تفہیم کی بابت مقابلہ و مسابقہ تیزی سے جاری ہے،

علماء فرانس مین بیرن کارا ڈی وو نے پانچ جلدون مین تاریخ حکماء اسلام تحریر کرنیکا تہیہ کیا ہے۔ بیرن موصوف اس سے بیشتر غزالی و ابن سینا پر تصانیف شائع کرچکے ہین، نیز بعض تالیفات مسعودی کا ترجمہ۔ "حکماء اسلام" کی ابتدائی دو جلدین اسوقت پیش نظر ہین، پہلی جلد کی تیاری مین مصنف کی قوت انتخاب و اختصار پر انتہائی بار پڑا ہوگا۔ اس جلد کے موضوع سے متعلق معلومات کا انبار عظیم موجود تھا، اس دفتر بیکران سے چار سو صفحات سے کم ضخامت کی دلچسپ و پر لطف

کتاب تیار کرنا ایک فاضل اجل ہی کا کام ہوسکتا ہے، اس مین پہلے جن شاہان اسلام کا مختصر تذکرہ آیا ہے، انکی فہرست مین خلفاء عظام مثلاً منصور، ہارون، مامون، صلاح الدین وغیرہ شامل ہین، نیز ہلاکو، قاطع خلافت عباسیہ اسکے بعد متاخرین شاہان اسلام کا تذکرہ ہے، مثلاً محمد ثانی، و سلطان سلیمان، تیمور و معاصر سلاطین ہند، محمود غزنوی، بابر (صاحب تزک بابری) اکبر اعظم، جہانگیر (صاحب تزک جہانگیری) شاہ عباس اعظم و نادر جنگ ایرانی۔ تاریخ عرب، ایران، ٹرکی نیز عام سیاسیات اسلامیہ کے متعلق ابواب، جن بیش بہا ذخائر تاریخی سے پر ہین، انکے مطالعہ کے بعد یقین نہین آتا، کہ کوئی انسان تن تنہا، آیندہ مجلدات مین اس بلند سطح کو قائم رکھ سکیگا،

ان اوراق مین اہل عرب و ایران کا مشترک بیان ہے، آگے چلکر ترکون کا بھی بیان شامل ہوگیا ہے، وہ ترک جو ذرا الگ تھلگ سے اور زیادہ مغرور المزاج ہین، اسی تمدن کے وارث لیکن مغرب کی ہمسائگی سے کافی متاثر۔ قدیم تاریخون مین طبری کے لیے صرف چند صفحات نکل سکے، اور اتنے مین ظاہر ہے کہ اسکے تذکرہ کا حق کیونکر ادا ہوسکتا تھا۔ بیرن موصوف نے طبری کے تذکرۂ نوشیروان زرنشین شاہ ایران پر خاص توجہ دلائی ہے، جو مسلمانون کی نظر مین سلطان عادل کا مجسمہ ہے، مسعودی اسوقت اپنے معاصرین سے زیادہ معروف ہوچکا ہے، سب سے زیادہ خوش آیند و جدید معلومات مسکویہ سے متعلق مندرج ہین، جو نسباً پارسی اور مذہباً مسلمان تھا، اس نے عقلیت مین اتنی ترقی کرلی تھی، کہ معجزات رسول مین تاریخی حیثیت سے شک کرنے لگا تھا، اسکی زبان تصنیف عربی تھی لیکن اسکی عربی، فارسی کی گمگی اصطلاحات سے ایسی مخلوط و ممتزج نہین، جیسے موجودہ ہند کے انگریزی مورخ کو مجبوراً ان ہندوستانی مصطلحات سے کام لینا پڑتا ہے، جو انگریزی مین جذب ہوگئی ہین۔ مسکویہ صاحب فکر و صاحب عمل دونون تھا، اس کی تاریخ کے صفحات مین بغداد قدیم زندہ و قائم معلوم ہوتا ہے، دوسرے عرب مورخین مین ابن اثیر

ابو الفدا، مقریزی مصری، اور مقری مورخ اندلس، سے پورا تعارف کرایا گیا ہے،

آخری باب مین، جو افسانہ و قصص سے متعلق ہے، الف لیلہ پر ایک محققانہ تبصرہ ہے، مصنف ان لوگون کا ہم خیال نہین، جو اس قصہ کو ہندی الاصل بتاتے ہین، بعض مورخین اسکا ماخذ فارسی زبان کو بتاتے ہین۔ ایک اور جماعت جس مین ایڈن کے پروفیسر ڈی گو بجی جیسے محقق شامل ہین، خاتون شہرزاد کو انجیل کی خاتون استھر کے مرادف قرار دیتی ہے، طبری کے نزدیک یہ خاتون شاہ فارس بہمن بن اسفندیار کی والدہ تھی۔ ایک اور مورخ کے خیال مین اسکا اصلی فارسی نام دنیازاد تھا۔ ہمارے مصنف کی تحقیق ان سب سے جُداگانہ ہے، اسکے خیال مین الف لیلہ مین افسانہ جس نوعیت کے ہین، ان سے جو اخلاقی نتائج پیدا کیے گئے ہین، ان مین جس قسم کی تعلیمات دی گئی ہین، ان سب کے لحاظ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اسکا اصلی مولد سرزمین یونان ہے، اور وہان سے یہ قصہ ساسانی ایران کی وساطت سے عرب مین منتقل ہوکر آیا ہے، مصنف نے، جن دلائل کی بنا پر عام مستشرقین کے اس خیال سے کہ کلیلہ دمنہ کا ماخذ سنسکرت کا پانچ تنتر ہے، اختلاف کیا ہے، قابل دید ہین،

مصنف ساری کتاب مین جابجا اسی قسم کے مجتہدانہ خیالات ظاہر کرتا ہے، اور اپنے نظریات مین منفرد معلوم ہوتا ہے، لیکن انکی بنیاد ہمیشہ دلائل قوی پر اور بیشتر ان معلومات نادرہ پر رکھی ہے، جو اول بار منظر عام پر لائے گئے ہین، مشہور و نامور ادیب جاحظ بصری اور اسکے بعض خطبات کی مصنف نے جس انداز سے داد دی ہے، اسے دیکھکر بہت ممکن ہے کہ ہندوستان کے شائقینِ علم کم از کم ان خطبات کے انگریزی تراجم کے نادیدہ مشتاق بنجائین، جاحظ کے سلسلہ مین انکی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے، کہ اس نے اپنی زندگی مین اکثر اپنی تالیفات عالیہ کو بجائے اپنے، کسی قدیم و مسلم الثبوت فاضل کے نام کردیا تھا، تاکہ جو لوگ حکمت

و ادب، فضل و کمال کو صرف قدما و اساتذہ مسلّم کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہین، ان مین انہین مقبولیت حاصل ہوسکے،

کتاب، زمانہ وسطی کے تمدن کے مطالعہ کے لیے ناگزیر سی ہے، اور بعد تکمیل یقیناً بکل ڈیکی کی تصانیف کے ہم پلہ رکھی جاسکے گی، جنہون نے تقریباً اسی زمانہ کے مسیحی تمدن کی تاریخین مُرتب کی ہین،

دار الفنون مشرقیہ (لندن) کے پنجسالہ کارنامے

لندن کے دار الفنون مشرقیہ (اسکول آف اورنیٹل اسٹڈیز) مین خواندگی کا کام اگرچہ نومبر ۱۹۱۶ء ہی سے شروع ہوگیا تھا، تاہم اسکا باضابطہ افتتاح ملک معظم کے ہاتھ سے ۲۳۔ فروری ۱۹۱۷ء کو ہوا، مشرقی زبانون کی تحصیل کو انگلستان مین جو کچھ بھی مقبولیت ہو رہی ہے، وہ اسی مدرسہ کے باعث سے، لندن یونیورسٹی مین عربی و فارسی زبانین نصاب درس مین سالہاسال سے داخل ہین، لیکن طلبہ کی توجہ انکی جانب شاذ و نادر ہی رہی ہے، برخلاف اسکے اس جدید دار الفنون مین بکثرت طلبہ یہ زبانین سیکھنے لگے ہین،

اب تک ۱۵۰۰ طلبہ اس اسکول سے فارغ ہوکر نکل چکے ہین، ۱۹۲۰ء مین ۵۳۹ طلبہ زیر تعلیم تھے، اس جماعت مین ہر طبقہ، ہر مذاق، اور ہر پیشہ کے افراد شامل ہین، افسران فوج، عہدہ داران بحری، حکّام مُلکی، اہل تجارت، گریجویٹ طلبہ، وقس علےٰ ہذا، شروع شروع اسکا نصاب زیادہ تر عملی ضروریات یعنی گفتگو مین سہولت پیدا کرانے سے متعلق رہا، لیکن اب رفتہ رفتہ اسے علم و فن کا بھی مرکز بنایا جارہا ہے، اور کوشش یہ ہے کہ کچھ عرصہ مین اسکا مشرقی کتب خانہ یورپ بھر مین بہترین ہوجائے،

تعلیم کا طریقہ عموماً یہ ہے، کہ ہر مشرقی زبان کے لیے دو اساتذہ ہوتے ہین ایک یوروپین اور ایک ایسا شخص جس کی وہ مادری زبان ہے، یوروپین استاد مغربی طلبہ کی مشکلات کو پوری طرح

سمجھ سکتا ہے، اور وہی انہین اس زبان کی سرشت، ترکیب، و اصولی قواعد سمجھاتا ہے، اور دوسری زبانون سے اسکا موازنہ کراتا رہتا ہے۔ دوسرا استاد تلفظ اور زبان کے روزمرہ کی تعلیم دیتا ہے،

نصاب مین صرف زبانین ہی داخل نہین، بلکہ مختلف اقوام عالم کی تاریخ ادب، مذہب معاشرت وغیرہ سے متعلق معلومات بھی شامل ہین۔ چنانچہ اب تک متعدد لکچر اسلام، ہندو مذہب، بودھ مذہب پر، نیز مختلف قبائل کی تاریخ و معاشرت وغیرہ پر دیے جاچکے ہین،

نصاب السنہ و علوم بلاکر اسوقت ۵۰ مضامین کی تعلیم ہوئی ہے، جن مین سے قابل الذکر عنوانات یہ ہین،

۱۔ عربی، عبرانی، آرمینی، آسامی، بنگالی، پنجابی، گجراتی، مرہٹی، فارسی، اردو، ہندی، تامل، تیلگو، کناڑی، تبتی، گورکھی، سنسکرت، سنگھالی، پالی، دڑاوڑی، جاپانی، چینی، ملائی، ترکی، و کشمیری زبانین،

۲۔ تاریخ۔

۳۔ قانون ہند۔

۴۔ اصول لسانیات و تلفظ،

ابتک پبلک لکچر جسقدر اس مدرسہ کے زیر اہتمام ہوچکے ہین، انکی تعداد صدہا تک پہنچ چکی ہے، ذیل مین ایک مختصر اقتباس بعض عنوانات کا مع لیکچر دینے والے حکمار کے اسمار کے درج کیا جاتا ہے، جس سے دار الفنون کے وسیع دایرۂ نظر کا اندازہ ہوسکیگا،

(الف) شعبۂ متفرق،

(۱) مذاہب ہند و چین، دونون کا موازنہ — ڈاکٹر ڈیوڈس

(۲) مرتبۂ بودھ تک پہنچنے کا طریقہ — پروفیسر پوسن

(۳) ہندوستان کا ہندو تمدن — ڈاکٹر بارنٹ

(۴) عراق عرب — مسٹر کیمبل ٹامسن

(۵) ایشیا کے فنون لطیفہ — مسٹر لارنس بنیون

(ب) شعبۂ ہند

(۱) ہندوستان قدیم — ڈاکٹر بارنٹ

(۲) شیکسپیر کے ڈرامے ہندوستانی اسٹیج پر — مسٹر عبداللہ یوسف علی

(۳) ہندوستانی زبان کی اہمیت — ''

(۴) بنگالی زبان کے ناول — ڈاکٹر اینڈرسن

(۵) راماین — مسٹر اس۔ جی۔ کانیر

(۶) گجرات عہد اکبری مین — مسٹر ڈینیسن راس

(ج) شعبۂ مشرق بعیدہ

(۱) ملایا — مسٹر بلیجن

(۲) کوریا کے بدھ معابد — مس ہلڈا باوسر

(۳) چینی ناول — ڈاکٹر ریس

(۴) چینی فلسفہ — مسٹر جیم

(۵) جاپانی شاخ بدھ ازم کے اصول فلسفیانہ — مسٹر میک گورن

(۶) کوریا کی فراموش شدہ سلطنت — مسٹر لوتر

(د) شعبۂ مشرق قریبہ

(۱) عربی زبان کی تحصیل — پروفیسر سر ڈبلو آرنلڈ

(۲) عربی بطور مذہبی زبان کے — خواجہ کمال الدین

(۳) ترکی لٹریچر — ڈاکٹر ایڈورڈس

(۴) مساجد قاہرہ — شیخ عبدالرزاق

(۵) اسلام اور اخلاق بین الاقوامی — مسٹر سیفی

(۶) مذہب بہائی — مسٹر احمد صفوت

(۷) شعبۂ متعلق بہ افریقہ

(۱) جغرافیہ و تاریخ افریقہ مشرقی — پروفیسر الایس ورنر

(۲) افریقہ قبل ۱۵۰۰ء کے — ״

(۳) معراج پیمبر کے متعلق ایک سواحلی نظم — ״

(۴) مشرقی افریقہ مین اسلامی ادب و روایات — ״

(۵) ساحل سواحلی — ״

(۶) جانتو زبانین — ״

دار الفنون کے افسر اعلی سر ڈینیسن راس ہین، جو دس سال کی مدت تک مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر رہ چکے ہین، اور دار الفنون کو ابتک جتنی کامیابیان ہوئی ہین، ان مین ایک بڑی حد تک انہین کی سرگرمیون کو دخل ہے۔

(ایشیاٹک ریویو)

اخبار علمیہ

جاپان مین ایک روزنامہ کی اشاعت ۱۰ لاکھ روزانہ کی ہے، چین کے کسی اخبار کی ۱۰ ہزار سے زائد نہین۔ ہندوستان کے بھی سب سے زیادہ کثیر الاشاعت پرچون کی، خواہ وہ انگریزون کے ہاتھ مین ہون یا ہندوستان، خریدارون کی تعداد ۵۰ ہزار کے اندر ہی ہے۔ (ماڈرن ریویو)

جاپان مین بچون کے مخصوص ماہوار رسائل کی تعداد چھ اور عورتون کے مخصوص ماہوار رسائل کی تعداد گیارہ ہے، اور یہ سب کے سب کثیر الاشاعت ہین۔ (ایضاً)

ماہ جون مین رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن کا جو سالانہ جلسہ منعقد ہوا، اس مین لارڈ رے متوفی کی جگہ پر لارڈ شامرز کا انتخاب عہدۂ صدارت پر عمل مین آیا، اور پیرس کی سوسائٹی ایشیاٹک کی جو صد سالہ سالگرہ ماہ جولائی کے دوسرے ہفتہ مین منائی گئی ہوگی، اس مین شرکت کے لیے چھ نمایندون کا انتخاب ہوا، لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی عمر اپنے فرنچ معاصر سے صرف ایک سال کم ہے، اسلیے آیندہ سال اسکی بھی صد سالہ سالگرہ منائی جائیگی، ایک کمیٹی کے زیر ادارت جسکے صدر پروفیسر مارگولیس ہین، دو سو صفحہ کی ایک مختصر کتاب اسوقت مرتب ہو رہی ہے، جسمین سوسائٹی مذکور کی اجمالی تاریخ کے علاوہ ابتک جتنے مضامین و مقالات اسکے جرائد و رسائل مین شائع ہوتے رہے ہین، انکے عنوانات اور مضمون نگارون کی فہرست درج ہوگی، اس وقت سوسائٹی کی جانب سے مفصلۂ ذیل تین کتابون کے مترجم ایڈیشن مع اضافہ حواشی، مقدمہ وغیرہ کے

عنقریب شائع ہونے والے ہین،

الاساطیر — ڈاکٹر گاسٹر

ہشت بہشت — پروفیسر مارگولیس

نشور المحاضرہ — "

(ٹائمس لٹرری سپلیمنٹ)

سین فرانسسکو (امریکہ) کے ایک ڈاکٹر ابرٹ ابریمس نے دعوی کیا ہے، کہ انھون نے ایک طریقہ ایسا دریافت کیا ہے، جس سے وہ کسی شخص کا محض خط دیکھ کر بتا سکتے ہین کہ وہ مرد ہے یا عورت نیز یہ کہ اسکا سن کیا ہے، اور اسے مرض کیا ہے، لیورپول (انگلستان) کے مشہور ماہر فن سر جیمس بار نے بھی رسالہ برٹش میڈیکل جرنل مین ایک مراسلہ کے ذریعہ سے، اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر اس دعوی کی تائید کی ہے، (ڈیلی میل)

مسٹر آرتھر لنچ، جنکے مضامین مسائل نفسیات پر اکثر شائع ہوتے رہتے ہین، ایک تازہ مضمون مین تحریر کرتے ہین، کہ خواب دیکھنے مین عموماً بہت ہی قلیل وقت لگتا ہے، اور اتنی مدت مین آدمی بہت کچھ دیکھ ڈالتا ہے، یہان تک کہ ایسے واقعات بھی جنکا ارتکاب اگر بحالت بیداری کیا جائے، تو سالہا سال کی مدت درکار ہوگی۔ مین ایک بار سو رہا تھا کہ گھڑی مین نو بجنا شروع ہوئے پہلی آواز سے مین جاگا، مگر معاً سو گیا، اور ایک بڑا طویل خواب دیکھا، مگر جونہی یہ خواب ختم ہوا، نو بجنے کی آخری آواز گھڑی سے آرہی تھی، ایک فرنچ فلسفی نے، جو خوابون کے متعلق تجربات کرتا رہتا تھا، ایک بار یہ خواب دیکھا، کہ پیرس مین اس نے ایک قتل کیا، بھاگ کر لندن پہونچا، پھر

جہاز پر سوار ہوا، طویل بحری مسافت طے کرکے نیویارک (امریکہ) پہنچا، پولیس کو دیکھ کر بھاگا، شہر چکاگو مین جا کر چھپا، پولیس نے یہان بھی سراغ لگا لیا، یہان سے بھاگ کر سین فرانسسکو مین دم لیا، پھر اسباب مین چھپ کر جاپان پہنچا، یہان گرفتار ہوا، شہر یوکوہاما مین مقدمہ ہوا، سزاے موت کا حکم سنا، تب آنکھ کھلی، اور اس ساری مدت مین صرف چند سکنڈ صرف ہوئے۔ (ڈیلی میل)

ماہ گذشتہ مین علماے فلکیات، سیارہ مریخ کے مشاہدہ و مطالعہ مین خاص طور پر مصروف رہے، اسلیے کہ اس طرف کچھ عرصہ سے یہ سیارہ کرۂ ارض کی طرف نہایت سرعت سے یعنی کوئی دس لاکھ میل فی یوم کی شرح رفتار سے بڑھتا آرہا تھا، اور ۱۰ جون کو بہت ہی قریب آگیا تھا، اگرچہ اسوقت بھی اسکا فاصلہ ہم سے بقدر چار کروڑ ڈھائی لاکھ میل کے باقی رہ گیا تھا، اسکا رنگ ہمیشہ سے سرخ و آتشین رہا ہے، اسوقت اسکی سرخی و آتش رنگی اور بڑھی ہوئی ہے، یورپ اور امریکہ کے رصد خانون مین بیسیون علماے فن نے اسکے مشاہدہ و معائنہ سے متعلق خاص اہتمامات کئے تھے، امید ہے کہ اسکی سطح پر حیات حیوانی کے وجود کا مسئلہ، نفیاً یا اثباتاً کسی نہ کسی پہلو سے اسوقت ضرور طے ہوگیا ہوگا (ایضاً)

مریخ و ارض کی درمیانی مسافت، جو کبھی بھی اقل ترین مقدار تک پہنچ سکتی ہے اس کی تاریخ وقوع ۲۲ اگست ۱۹۲۴ء ہوگی، اسوقت مریخ کرۂ ارض سے اسقدر قریب ہو جائیگا، کہ اس سے زیادہ قربت کا کبھی بھی امکان نہین، بااینہمہ اسوقت بھی یہ فاصلہ ۳ کرور ۴½ لاکھ میل کا رہیگا

ہاتھی کا اوسط عمر سو سال سے زائد ہے۔ اپنے پورے شباب پر چالیس برس کے بعد پہنچتا ہے باوجود اسقدر جسیم اور بھاری بھرکم ہونے کے اسکی شرح رفتار ۱۵ میل فی گھنٹہ ہوسکتی ہے، اور

دس میل فی گھنٹہ کی شرح سے تو دور تک دوڑ سکتا ہے، ڈارون نے تخمینہ کیا تھا، کہ اگر سلسلہ توالد وتناسل مین کوئی خارجی مداخلت نہ کی گئی، تو ساڑھے سات سو برس کے عرصہ مین صرف ایک جوڑے سے سطح زمین پر ایک کرور نوے لاکھ ہاتھی موجود ہو سکینگے،

امریکن فلوسافیکل سوسائٹی کے تازہ اجلاس کے سامنے زمین کی عمر کا مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ پیش ہوا، اور مختلف علماء کی جانب سے سرگرم مباحثہ رہا۔ کسی ایک نتیجہ پر سب کا اتفاق نہ ہو سکا، تاہم جو نتائج قابل وقعت سمجھے گئے، اُنکے لحاظ سے زمین کی مدت عمر درمیان ۔۔۔۔۔ سال اور ۔۔۔۔۔ سال کی ہے،

یونیورسٹی آف کالیفورنیا (امریکہ) کے صیغۂ تعلیمات کے ایک افسر نے حال مین ایک عجیب آلہ "بوسہ پیما" کے نام سے ایجاد کیا ہے، جسکے ذریعہ سے بوسہ کی پیمایش ہو سکے گی، یعنی جس جوش، شوق، وگرمجوشی کے ساتھ بوسہ لیا گیا ہے، اُسکی کمیت ومقدار کا اندازہ ہو سکیگا،

کوہ ایورسٹ کی پیمایش وتحقیقات متعلقہ کے لیے جو سائنٹفک وفد آیا ہوا ہے، اُسکے کام کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے باہر دنیا کا جو بلند ترین قلۂ کوہ ہے، اُسکی بلندی بھی ۲۳۰۰۰ فٹ سے زائد نہین، برخلاف اسکے سلسلۂ کوہستان ہمالہ مین اسّی سے زائد چوٹیان ایسی ہین، جنکی بلندی ۲۴۰۰۰ فٹ سے اوپر ہے، بیس ایسی ہین، جو ۲۶۰۰۰ فٹ سے اوپر ہین، چھ ایسی ہین جو ۲۷۰۰۰ فٹ سے اوپر ہین، اور خود ایورسٹ کی بلندی ۲۹۰۰۲ فٹ کی ہے،

ایک فرنچ مکتشف میسو بیلین نے ایک آلہ ایسا ایجاد کیا ہے، جس سے فوٹو گرافون کو بذریعہ تار، ٹیلیفون، اور لاسلکی کے بھیجدینا ممکن ہو گا، جرائم پیشہ ملقون مین ایک دہشت پھیل گئی ہے، کہ اب چھپنا دشوار ہو جائیگا،

برلن (جرمنی) مین چند روز ہوئے پروشین اسٹیٹ لائبریری کے زیر اہتمام آوازون کا عجائب خانہ قائم ہوا ہے، جس مین ہر ملک وقوم کے مشاہیر زمانہ کی آوازین گراموفون کے ریکارڈون مین بھر کر محفوظ رکھی جائین گی، اسکے ڈائرکٹر پروفیسر ولیم ڈوِیگر کا دعویٰ ہے کہ حال مین بعض ایسے کیمیاوی مرکبات تیار ہو گئے ہین، جو ان ریکارڈون کو کم از کم دس ہزار سال تک محفوظ رکھینگے، اس عجائب خانہ کا دروازہ اگرچہ تمام ممالک واقوام کے مشاہیر کے لیے کھلا ہوا ہے، لیکن عملاً ابتک صرف ایک ہی غیر جرمن کی آواز اس خزانہ مین داخل کی گئی ہے، اور وہ ہمارے (ہندوستانی) رابندرناتھ ٹیگور ہے،

مسٹر والٹر ایوانس، جو انگلستان کے ایک کہنہ مشق صحافی تھے، ۶۰ برس کی مستقل مشغولیت کے بعد حال مین پبلک زندگی سے سبکدوش ہو کر پنشن پر چلے گئے ہین، روزنامۂ ایوننگ نیوز کے مدتون وہ چیف ایڈیٹر رہے، اور ایسوشی ایٹڈ نیوز پیپرس کمپنی کے ڈائرکٹر رہے، جسکی ملکیت مین ڈیلی میل، ایوننگ نیوز، ویکلی ڈسپیچ، وغیرہ نکلتے ہین۔ انکی الوداعی ضیافت کے موقع پر ان تمام اخبارات کے انتظامی وادارتی صیغون کے اعلیٰ عہدہ دارون نے شرکت کی، اور لارڈ نارتھ کلف، جلسہ کے صدر قرار پائے، لارڈ موصوف نے اپنی طرف سے ایک طلائی گھڑی کا تحفہ دیا، سر ایڈورڈ گیرڈ نے اخبار ایوننگ نیوز کی جانب سے ۱۰ ہزار پونڈ (۱½ لاکھ روپیہ) کی معقول رقم

رقم پیش کی، اور کمپنی کے ڈائرکٹرون نے دس سال کے لیے ڈھائی ہزار پونڈ سالانہ پنشن کی منظوری دی۔ اور اسکے بعد بھی انکی زندگی تک ایک ہزار پونڈ سالانہ کی پنشن ملتی رہے گی،

اُلّو عام طور پر بہت حلیم و بے ضرر پرندہ سمجھا جاتا ہے، جس سے بجز منحوسیت کے، اور کسی قسم کا خطرہ نہین، لیکن کچھ روز ہوے، جب برطانیہ کے شہر گلوسٹر مین ایک کاشتکار نے درخت پر چڑھکر اسکے انڈے نکالنا چاہے، تو اُلّو اور اُلّنی (نر و مادہ) نے ملکر اسپر اس سختی سے حملہ کیا، کہ بیچارے کی ایک آنکھ باہر نکل پڑی، اور دوسری بھی پھوٹتے پھوٹتے بچ گئی،

مفصل و ضخیم تاریخ ہند، جو کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے نام سے کیمبرج یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہونے والی تھی، اور جسکا ذکر معارف مین پیشتر آچکا ہے، اسکی جلد اول ماہ گذشتہ مین شائع ہوگئی۔ کتاب ۲۱ ابواب پر مشتمل ہے، اور اسکی تحریر مین متعدد انگریز و امریکی ماہرین فن شریک ہین، ترتیب و ادارت کے عام فرائض پروفیسر ریپسن نے انجام دیے ہین، نقشہ بکثرت دیے گئے ہین۔ اور مختلف سکون کے عکس خاص طور پر قابل قدر ہین۔ یہ سکہ یونان، باختر، وغیرہ کے اُن قدیم فرمانرواؤن کے ہین، جو شروع شروع ہندوستان پر حاکم رہے تھے، اس جلد کا اصلی مبحث تہذیب ہند پر قدیم بیرونی اثرات (یونانی، ایرانی، وغیرہ) کے حدود کو دکھانا ہے، بودھ مذہب پر بھی ایک عالمانہ و بسیط مضمون موجود ہے، اس تاریخ ہند کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ اہل ہند کے قلم کی ایک سطر بھی اس مین شامل نہین،

ادبیات

سابرمتی جیل کے قیدی کی زبان سے

جنون نے دل سے وہ حس بھی مٹادی — کرے جو امتیاز رنج و شادی

نیا جب اوسنے کوئی شر اٹھایا — میری ایذا پسندی نے دعا دی

شب معراج مردان خدا ہے — بقول شیخ، "روز نامرادی"

مجازی عشق بھی اک شئے ہے لیکن — ہم اس نعمت کے منکر ہین نعادی

کہی تھی جان نثاری کی جو حسرت

وہ بارے کرکے بھی ہم نے دکھادی

ایک گوشہ نشین صوفی شاعر مولوی قربان احمد صدیقی کے رمز حقایق

یہ اضطراب ہے اک ذات بے نشان کیلیے — چلا ہے دل میرا تسخیر لامکان کے لیے

زمین بھی پست ہوئی آسمان بھی چکرایا — یہ مشت خاک ہی موزون تھا امتحان کے لیے

نہ انتہا مری قدرت کی ہے نہ عجز کی حد — عجیب نکتۂ لاحل ہون نکتہ دان کے لیے

نہو جو درد دروں، بے اثر ہے قول فصیح — دل آشنا ہو تو جوہر بنے زبان کے لیے

وجود ہی نہو جس کا پھر اُس کا پرچا کیا — عدم کا خوف ہی اک خبط انس و جان کے لیے

نظر فریب سہی انتظام کون و فساد — ہے بند و بست کسی مقصد نہان کے لیے

نہین جو اہل یقین، ہے اسیر شک قربان

سکون کا لطف کہان قلب بدگمان کے لیے

باب التقریظ والانتقاد

دیوان فانی

از

مولنا عبد السلام ندوی

چند روز سے ہمارے اخبارات کا یہ عام شعار ہوگیا ہے کہ وہ شعر و سخن سے اپنے کالمونکی ابتدا کرتے ہین، اور رسائل کے اخیر مین ایک باب ادبیات، یا نقد سخن وغیرہ کے عنوان سے قائم کیا جاتا ہے، جس کے تحت مین متعدد شعرا کی غزلین درج کیجاتی ہین، اب یہ طریقہ نہایت عام ہوگیا ہے، اور اس ذریعہ سے متعدد شعرا نے جھوٹی سچی شہرت بھی حاصل کرلی ہے، لیکن ان لوگون مین مولوی شوکت علی خان فانی کو جو غیر فانی شہرت حاصل ہوئی ہے، وہ ایک خاص صداقت آمیز امتیاز رکھتی ہے،

اخبارات و رسائل کی اس موجودہ روش نے بہت سے لوگون کو شاعر بنادیا ہے اور یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ شاعری کا جو چراغ سرسید اور اونکے ہمصفیرون کے دمِ آتشین سے بجھ چلا تھا سیاسیات کے ان تیز و تند جھونکون مین اور بھی روشن ہوتا جاتا ہے، لیکن مولوی شوکت علی صاحب فانی ابر بہار کے ان چھینٹون کی پیداوار نہین ہین، بلکہ اونھون نے اپنی تعلیم و تربیت کے ابتدائی زمانہ سے لوح اوستاد کے ساتھ صحیفۂ شاعری کو بھی سامنے رکھا، اور بجائے کسی اوستاد کے خود اونکی طبع خداداد ہی اس میدان مین اونکی رہبری کرتی رہی، چنانچہ اُنھون نے

۱۸۹۰ء مین سب سے پہلی غزل موزون کی، اور ۱۹۰۱ء تک پہلا دیوان مکمل کرلیا، اور ۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۲ء مین شکسپیر اور ملٹن کے بعض ڈرامون کو ہندوستانی لباس پہنایا، لیکن ان سب کا حشر وہی ہوا جو اکثر مشہور شعرا یا ناگوار نہ ہو تو کم از کم لاابالی مزاج شاعرون کے کلام کا ہوا کرتا ہے، یعنی یہ دیوان اور یہ ڈرامے ضائع گئے، اور مولنا فانی کو اسکا اسقدر قلق ہوا کہ وہ ایک مدت دراز کے لیے خاموش ہوگئے، شاید اس رنج و غم کی حالت مین اونکو عرفی کا یہ شعر یاد نہ تھا، جسکو اوس نے اسی موقع پر کہا تھا،

گفتہ گر شد ز کفم شکر کہ ناگفتہ بجا است   از دو صد گنج یکے مشتِ گہر باختہ ام

لیکن بااینہمہ پرانا چسکا رہ رہ کر طبع موزون مین چٹکیان لیتا تھا اور تخیلات کا ہیجان کبھی کبھی پھوٹ نکلنے پر آمادہ ہوتا رہتا تھا، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اونھون نے ۱۹۱۰ء سے از سرِ نو ترنم ریزی کی اور یہی نغمہ سرائی ہے جس نے اسوقت دنیائے شاعری مین اونکو بہت کچھ شہرت دی ہے،

اس جدید مشق کے یہی نتائج فکر یا عربی انشا پردازون کی زبان مین جناب فانی کی یہی "بنت الافکار" یا "بنت الشفہ" ہین جنکو دفتر رسالہ نقیب نے ایک جبری اصرار کے ساتھ شائع کردیا ہے، اور ترقی فکر کے منازل و مدارج کے دکھانے کے لیے ساتھ ساتھ

قدیم غزلین — چند قدیم غزلون کا انتخاب بھی اس احتیاط کے ساتھ درج کردیا ہے کہ مجموعۂ قدیم مین سے پانچ فیصدی سے زائد اشعار نہین آنے پائے ہین، لیکن اگر وہ یہ احتیاط نہ برتتا تو منازل سلوک کے تمام صوی و معالم اور بھی زیادہ روشن ہوجاتے اور ہم زاہدان خشک کے ہاتھ مین پورا سبحۂ صد دانہ نظر آتا، ورنہ غزلیات قدیم کا جو انتخاب پیش کیا گیا ہے، اون مین بعض غزلین جدید غزلون سے کچھ بہت زیادہ مختلف نظر نہین آتین، مثلاً،

نہین منظور تپِ ہجر کا رسوا ہونا
تیرے بیمار کا اچھا نہین اچھا ہونا

ناصحا وسعتِ کاشانہ جنون خیز نہین
ورنہ کیا فرض ہے آوارۂ صحرا ہونا

نگہِ ناز کو آسان دمِ خنجر بننا
لبِ جان بخش کو دشوار مسیحا ہونا

ہاے باتون مین تری لغزشِ مستانۂ ناز
ہاے آنکھون مین تری نشۂ صہبا ہونا

ہمہ تن داغِ غمِ عشقِ بتان ہون فانی
دل سے بھاتا ہے مجھی نقشِ سویدا ہونا

باایہمہ قدیم وجدید کلام مین ایک نمایان مابہ الامتیاز قائم ہے، یعنی قدیم غزلون کے بہت سے اشعار خالص لکھنؤ کے رنگ مین ہین، مثلاً

لاے پہ جھک پڑی ہے گلِ یاسمین کی شاخ
یا دستِ نازنین مین ہے ساغر شراب کا

زمانِ رخصتِ طفلی ہے نوشباب آیا
سوا پہر رخِ روشن کا آفتاب آیا

وہ آئے گورِ غریبان مین جی اوٹھے مردے
جلو مین فتنۂ محشر بھی ہمرکاب آیا

بہت سی پرانی ترکیبین بھی بطور یادگار کے اونکے قدیم کلام مین محفوظ رہ گئی ہین، مثلاً

جلوۂ رخ آفتابِ حشر سے کچھ کم نہین
شورِ محشر ہے تری اوٹھتی جوانی کا جواب

مین تم سے کیا کہون نہ سنائے خدا تمھین
ہو نا شنیدنی مری جان ماجراے عشق

نگہِ ناز کو گھونگھٹ ہی کے اندر رکھئے
گھر مین رہتے نہین جب پانون نکل جاتے ہین

لیکن جب ہم اس "حال" کو چھوڑ کر "مقام" تک اور اس "عالم تلوین" سے نکل کر "عالم تمکین" تک پہونچتے ہین تو ہم پر اونکے جدید کلام کی خصوصیات کا فیضان ہوتا ہے، جو اگر الفاظ وعبارت مین آسکتی ہین تو حسب ذیل ہین،

جدید ترکیبین جو لوگ جدید رنگ مین کہتے ہین اون کے کلام مین لازمی طور پر فارسی زبان کی بہت سی جدید ترکیبین پائی جاتی ہین، جو صرف اسلیے جدید کہی جاسکتی ہین کہ اہل لکھنؤ نے ٹھیٹھ اردو کی پیروی مین ان کو ترک کردیا تھا، ورنہ درحقیقت ان کے موجد اہل دہلی ہین، اور اہل دہلی مین بھی یہ ترکیبین مومن اور غالب ہی تک محدود نہین ہین، بلکہ قدما، مثلاً میر، سودا، اور قائم وغیرہ کے کلام مین بھی بہ کثرت پائی جاتی ہین، البتہ غالب ومومن نے ان مین اور بھی جدت طرازیان کی ہین، اسی لیے جو لوگ ان ترکیبون کو استعمال کرتے ہین، وہ اپنے آپ کو غالب ومومن کا پیرو سمجھتے ہین، موجودہ زمانے مین، حسرت، وحشت، اور عزیز لکھنوی نے ان کو نہایت کثرت سے استعمال کیا ہے، اور عزیز نے تو موجودہ رسائل واخبارات تک کی بہت سی ترکیبون کے استعمال کرنے سے بھی دریغ نہین کیا ہے، مثلاً جذبات، سوانح عمری، اور سیاح وغیرہ، فانی کے کلام مین بھی یہ ترکیبین معتدل مقدار مین موجود ہین، مثلاً

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنوان نکلا
دم تو نکلا مگر آزردۂ احسان نکلا

شوقِ بیتاب کا انجام تحیر پایا
دل سمجھتے تھے جسے دیدۂ حیران نکلا

گریۂ آتشین کی داد دے شبِ غم تو کون دے
خود سرِ شام کیا بجھی شمع نے دل بجھا دیا

گذر گیا انتظار حد سے یہ وعدۂ ناتمام کب تک
نہ مرنے دیگی مجھے ستمگر تری تمناے خام کب تک

وہ جام کفر پرور بھر دے کہ مست کردے
مستون کے دل مین ساقی ایمان رہ نہ جاے

مائل پرواز ہے مقتل مین خونِ گرمِ دل
آتشِ سیال تھا اب شعلۂ بالیدہ ہے

ہر تصور جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہے
خاکِ دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے

ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہین
عالم اک مجموعۂ ذراتِ صحرا بیز ہے

اشک اک اک کرکے سب آوارۂ دامن ہوے
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام ونشانِ اضطراب

فانی کی ان ترکیبون مین اگرچہ تصنع وتکلف نہین معلوم ہوتا یعنی یہ محسوس نہین ہوتا کہ اونھون نے صرف جدید رنگ مین کہنے کے لیے زبردستی سے ان ترکیبون کو استعمال کیا ہے، تاہم کہین کہین غلط ترکیبین بھی استعمال کر گئے ہین، مثلاً

جلوہ کیا دیکھے کوئی قدرت سہی فرصت کہان   یان نقاب جلوہ خود حسنِ تماشا ریز ہے

"تماشا ریختن" فارسی کا محاورہ نہین ہے، اسلیے "تماشا ریز" کا اشتقاق صحیح نہین ہے، البتہ یہ ایک عمدہ استعارہ ہوسکتا ہے، لیکن ذیل کے شعر مین۔

روح کا آنسوؤن بھری آنکھون مین یا تر آب ہے   آکہ حیاتِ مستعار نقش بروے آب ہے

"یا تر آب" کی ترکیب نہایت بدنما ہے اور اسکی کوئی تاویل نہین کی جاسکتی،

جدید استعارے اسی سلسلے مین فانی کے جدید استعارات وتشبیہات بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہین، مثلاً

نہ آ قریب کہ پروردۂ فنا ہون مین   بنا ہے برق کے تنکون سے آشیان اپنا

بس ایک جہان سوز کے اثر تک ہین   یہ خار برق، قضا، دام، آسمان صیاد

ہون، اگر کیا؟ یہ کچھ نہین معلوم   میری ہستی ہے غیب کی آواز

دھیان تیرا بہشتِ شوق سہی   دل عاشق ہے ایک دوزخ راز

میری نگاہ شوق نے پایا ہے یہ لقب   دربانِ آستانۂ دولت سرائے عشق

اللہ رے کثرت گل وریحان کہ اندنون   فردوس ایک پھول ہے دستِ بہار مین

بعض استعارے بظاہر استعارہ نہین معلوم ہوتے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اونمین استعارات کی مخصوص جدت پائی جاتی ہے، مثلاً

اب آنکھ اوٹھتی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مژگان کو   وہ چھیڑا چاہتے ہین نوک نشتر سے رگِ جان کو

"ہلکی سی مژگان" ایک نہایت ہی جدید ترکیب، اور ایک نہایت ہی جدید استعارہ ہے، اور اسکا مشبہ بہ بلطیف ممتد چیز ہوسکتی ہے، لیکن فانی نے مناسبت کلام سے "نوک نشتر" کو مشبہ بہ قرار دیا ہے،

تصوف وفلسفہ شعرائے قدیم کی ایک یادگار صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین تھے جنکو اہل لکھنؤ کی معاملہ بندی نے توسرے سے مٹا ہی دیا، لیکن شعرائے دلی مین بھی صرف معدودے چند یعنے غالب اور شیفتہ نے زندہ رکھا، باقی مومن کا کلام اس کیف سے بالکل خالی نظر آتا ہے، اور ذوق کو تو دلی کا شاعر کہہ ہی نہین سکتے، موجودہ دور کے ممتاز شعرا نے اگرچہ غالب کو اپنا امام بنایا ہے، تاہم اونکے یہان بھی صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین بہت کم پائے جاتے ہین، البتہ فانی کے کلام مین تصوف اور فلسفہ کی چاشنی نسبتہً زیادہ پائی جاتی ہے، مثلاً

اونکی ہستی سے جدا میرا وجود اللہ رے وہم   بلبلا ہے عین دریا پھر بھی دامن چیدہ ہے

مایۂ ادراک ہستی ہون تکلف برطرف   زندگی میری دروغ مصلحت آمیز ہے

بشر مین عکسِ موجودات عالم ہم نے دیکھا ہے   وہ دریا ہے یہ قطرہ، لیکن اس قطرے مین دریا ہے

یہ جستجو ہے کہ ہے عالمِ مجاز کہان   تلاشِ چشم حقیقت نگر نہین ہے مجھے

بیابان کو یہان لے آئے تھے کچھ خاک کے ذرے   یہی ذرے اوڑا لیجائینگے اک دن بیابان کو

آپ ہی اپنے آڑ مین تو ہے   تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز

نشان مہر ہے ہر ذرہ ظرف مہر نہین   خدا کہان نہ ملا اور کہین خدا نہ ملا

منتخب اشعار ان خصوصیات کے علاوہ فانی کے کلام مین تمام شاعرانہ محاسن یعنے سلاست، روانی، سادگی، صفائی، برجستگی، لطیف الخیالی، اور پختگی وغیرہ موجود ہین، لیکن انکا علحدہ علحدہ نمایان کرنا طوالت سے خالی نہین، اسلیے ہم اونکے چند منتخب اشعار اس موقع پر

درج کرتے ہین جن سے مجموعی طور پران تمام خوبیون کا اندازہ ہوسکے گا،

دبی زبان سے مرا حال چارہ ساز نہ کہہ
بس اب تو زہر ہی دے زہر مین دوا نہ ملا

مری حیات ہے محروم مدعاے حیات
وہ رہگذر ہون جسے کوئی نقش پا نہ ملا

وے ترا حسن تغافل جسے جو چاہے فریب
ورنہ تو اور جفاؤن پہ پشیمان ہونا

سبکسری ہے ترے عشق سے سبکدوشی
بلائے جان ہے وہ دل جو بلاے جان نہوا

اجل کے زیر اثر ہو وہ نقش ہستی کیا
ہوا کہ برق کے سائے مین آشیان نہوا

جب ترا ذکر آگیا ہم دفعۃً چپ ہوگئے
وہ چھپایا راز دل ہم نے کہ افشا کردیا

کب کہہ گیا تھا آنے کو کیا وقت ہوگیا
اللہ نامہ بر بھی گیا وقت ہوگیا

دل کچھ نہ تھا تمھاری نظر نے بنا دیا
دنیاے درد، عالم حسرت، جہان داغ

دیکھتے ہین تمھین جاتے ہوے اور جیتے ہین
تم بھی قابو مین نہین، موت بھی قابو مین نہین

زمین گور غریبان پہ اک جگہ نہ ٹھہر
یہین کہین نگہ شرمسار ہم بھی ہین

گو ایک ہی فتنہ ہے قامت بھی قیامت بھی
کم ہو تو قیامت ہے بڑھ جائے تو قامت ہے

چلے بھی آؤ کہ دنیا سے جارہا ہے کوئی
سنو کہ پھر نہ سنوگے تم التجا میری

خدا نے زہر کی تاثیر بخشدی فانی
ترس گئی تھی اثر کو بہت دوا میری

یاد آجاتے ہین جب وہ اگلی صحبت کے مزے
لوٹتا ہے دل مرا دوزخ مین جنت کے مزے

صبح ہوتے ہی بھلادے کوئی یارب کسطرح
رات بھر باہم وہ شکوون کے شکایت کے مزے

ایک غم، سو راحتین، اک عشق سو کیفیتین
یاس کی لذت جدا، کچھ اور حسرت کے مزے

ربط حسن و عشق سے واقف نہ تھے تو چین تھا
واقفیت مین کہان نا واقفیت کے مزے

دن سے رسم و راہ کیا جاتی رہی جاتے رہے
خط کتابت کے مزے، صاحب سلامت کے مزے

ہلاک تلخی تاثیر شکوہ ہون فانی
شکایت گلۂ بے اثر نہین ہے مجھے

آمادۂ فریاد رسی ہے وہ ستمگر
فریاد کہ اب طاقت فریاد نہین ہے

تعمیر آشیان کی ہوس کا ہے نام برق
جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی

اب جفا ہے نہ وفا، یاد وفا باقی ہے
تھی جہان شمع وہان خاک ہے پروانوں کی

نہین ضرور کہ مرجائین جان نثار ترے
یہی ہے موت کہ جینا حرام ہوجائے

کیا ہے خلق مجھے باوجود علم گناہ
یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے

اغلاط و مسامحات اغلاط اور مسامحات کے معاملے مین، مین تشدد نہین ہون، اگر کوئی شخص متحرک لفظ کو ساکن اور ساکن کو متحرک کرکے استعمال کرتا ہے تو مین اوسپر کوئی مواخذہ نہین کرتا، اگر کوئی شخص مکسور کو مفتوح اور مفتوح کو مکسور بنا دیتا ہے تو مین اسپر بھی گرفت نہین کرتا بلکہ اگر کوئی شخص مذکر کو مونث اور مونث کو مذکر کردیتا ہے تو مین اسکو بھی کوئی اہم چیز نہین قرار دیتا، لیکن اگر کوئی شخص کسی ایسی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے جس سے محاسن شاعری پر حرف آتا ہے، جس سے محاورہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور جس سے شعر کا توازن و تناسب قائم نہین رہتا تو مین اسپر شدت کے ساتھ نکتہ چینی کرتا ہون، اور افسوس ہے کہ فانی کے کلام مین مجھ کو متعدد جگہ اس قسم کی خامیان نظر آتی ہین، مثالین ملاخطہ ہون،

طرح دل کو غم الفت کو قلم کہتے ہین
کن ہے انداز رقم حسن کے افسانے کا

"غم الفت کا قلم" نہ حقیقۃً صحیح ہے، نہ مجازاً اور استعارۃً،

ہے شان عبودیت مصروف دعا ہونا
منظور مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا

"ہر نالہ کا رسا ہونا" چاہیے،

جا زنجیر عناصر پہ ہے زندان موقوف
وحشت عشق ذرا سلسلہ جنبان ہونا

عناصر کے لیے زنجیر کا استعارہ بحث طلب ہے، باہم کوئی واضح وجہ شبہ نہین،

یون نہ کسی طرح کٹی جب ی زندگی کی رات — چھیڑکے داستانِ غم دل نے مجھے سلادیا

زندگی کے دن کاٹنا" محاورہ ہے، "زندگی کی رات کاٹنا، محاورہ نہین،

آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہون — یہ جانتا ہون دل ادھر آیا ادھر گیا

دوسرے مصرع مین دل کا لفظ حشو اور زائد ہے،

صیاد یون پرون مین گرہ باندھتے ہین کیا — بے درد بند بند کسی کا جکڑ گیا

پر باندھنا صحیح ہے، لیکن پرون مین گرہ باندھنا صحیح نہین، خود گرہ باندھنا محاورہ بھی نہین ہے گرہ دینا محاورہ ہے، پرون مین گرہ دینے سے جسم کے بند بند نہین جکڑ سکتے اور خود پرون کو بند نہین کہہ سکتے، کسی کا لفظ بھی اس جگہ ناموزون ہے،

تہ مین جا سطح سے تو قطع نظر کر کر دیکھ — قطرے قطرے مین سمندر ہے نظر پیدا کر

قطع نظر کر کر صحیح نہین، قطع نظر کرکے صحیح ہے، اور اگر صحیح بھی ہو تو نہایت بدنما ترکیب ہے

وقت عرضِ حالِ دل اس فکر نے مارا مجھے — کیجیے آغاز کیون کر داستانِ اضطراب

"داستان کا آغاز کرنا" صحیح ہے "داستان آغاز کرنا"، صحیح نہین، یہ نہین کہتے کہ فلان داستان آغاز کی البتہ یون کہتے ہین کہ فلان داستان شروع کی،

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جسمین چپ کی داد — یہ حشر ہے یہان تو کھلے گی زبان داغ

"زبان داغ" نہ حقیقۃً صحیح ہے نہ استعارۃً

پھاڑ کر نانی گریبانِ لحد — ہم چلے دامانِ محشر کی طرف

گریبان لحد کا استعارہ بحث طلب ہے، اور دامانِ محشر کی طرف چلنا بھی مناسب نہین معلوم ہوتا، میدانِ محشر کی طرف چلنا چاہیے،

وہ آتے ہین یہان اے آخری دم — وفا کر ہو سکے تجھ سے جہان تک

"آخری دم یا نفس واپسین"؟

گم شدگان رہ عشق کی مثال — قیس ہے اک آبلہ پا اور ہم،

توازن کے لحاظ سے "اور ایک ہم" ہونا چاہیے،

ایک تم ہو کہ تمھارے ہین پرائے دل بھی — ایک مین ہون کہ مرا دل مرے قابو مین نہین

"توازن کے لحاظ سے دوسرے مصرع مین" مرا دل بھی" ہونا چاہیے،

عشق صادق وہ کہ دل سے لب تک آئے کیا مجال — حسن یکتا وہ کسی نے جسکو دیکھا ہی نہین

عشق صادق کا دل سے لب تک آنا بالکل بے معنی ہے، البتہ رازِ عشق صادق ہوتا تو صحیح ہوتا، پھر حسن یکتا کے لیے یہ ضرور نہین کہ اوسکو کوئی دیکھ ہی نہ سکے، البتہ اوسکا مثل اور اوسکا نظیر نہین دیکھا جاسکتا، با اینہمہ یہ دونون مصرعے قابل تاویل ہین گو واضح البیان نہین ہین،

چراغ کشتۂ آرامگاہ بے نشانی ہون — مین رویاے پریشان تھا ہون یعنی فانی ہون

"رویای پریشان" کے لیے فارسی زبان کی سند متواتر درکار ہے،

شکوۂ ہجر یہ سر کاٹ کے فرماتے ہین — پھر کروگے کبھی اس منھ سے شکایت میری

"شکوہ کو زبان سے تعلق ہے، سر سے نہین، نواب مرزا داغ کسقدر صحیح کہتے ہین،

سر سے پہلے وہ زبان کاٹ لیا کرتے ہین — کہ کرے جاکے خدا سے نہ شکایت میری

یہ کہنا کہ سر کے کاٹنے سے زبان بالکل بیکار ہو جاتی ہے، منطقیانہ استدلال ہے، جو فن شاعری مین کارآمد نہین ہو سکتا،

چھانٹا ازل مین ایک تڑپتا ہوا جگر — کیا بات ہے تری نگہ انتخاب کی

"تڑپتا ہوا جگر" یا تڑپتا ہوا کلیجہ" کے لیے اردو زبان کی سند متواتر درکار ہے،

اسیر غم وہ رخ بے حجاب کرکے مجھے
کدھر گیا ہمہ تن اضطراب کرکے مجھے،

رُخ بیحجاب کے لیے یہ کہنا کہ "کدھر گیا" بالکل غلط ہے، اسی زمین مین صحیح طور پر یہ ترکیب اس طرح مستعمل ہوئی ہے،

اسیر پنجۂ عہد شباب کرکے مجھے
کہان گیا مرا بچپن خراب کرکے مجھے

رُخ بیحجاب کے لیے یون کہنا چاہیے کہ کہان چھپ گیا، کس چیز مین چھپ گیا،

اے اجل گھبرائیگا تنہائی تربت سے دل
یہ ابھی بھولا نہین ہے جوشِ وحشت کے مزے

وحشی تنہائی سے نہین گھبراتا بلکہ تنہائی کو اور پسند کرتا ہے، تنگی تربت ہوتا تو صحیح ہوتا کیونکہ دیوانے کے لیے وسعتِ صحرا درکار ہے،

کاش مین واقف نہ ہوتا رسم و راہِ عشق سے
کاش تم سمجھو کہ عشقِ فتنہ گر کیا چیز ہے

اگر دوسرے مصرع مین "سمجھو" کے بجاے "سمجھتے" ہوتا، تو پہلے مصرع مین "ہوتا" کا جو لفظ ہے، اوسکے ساتھ توازن و تناسب قائم ہوجاتا،

اب یادگارِ فانیٔ بسمل ہے اسقدر
گلگون ہے خاک کوچۂ قاتل جگہ جگہ

دونون مصرعے متناقض ہین، پہلے مصرع سے ثابت ہوتا ہے کہ اب یادگار فانی کے نشانات خفیف سے باقی رہ گئے ہین، لیکن دوسرے مصرع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدم قدم پر اس یادگار کا نشان مل سکتا ہے، کیونکہ ردیف سے بہرحال کثرت ہی کا اظہار ہوتا ہے،

عزیز خاطر فطرت ہی جان عبرت ہے
ہر ایک ذرہ جو اس عالمِ غبار مین ہے

عالم غبار کے لیے فارسی زبان سے سند متواتر درکار ہے،

گریہ کے آداب کے حواس ہین کسکو
ہاے کہ اب تاب احتیاط نہین ہے

اس جگہ صرف حواس کا لفظ صحیح نہین، ہوش حواس محاورہ ہے،

غزلیات کے علاوہ چند تضمینین، چند رباعیان، بعض اخلاقی نظمین، اور بعض قصائد بھی شامل دیوان ہین، لیکن ہمارے نزدیک فانی کا اصلی کارنامہ صرف غزل ہے، اسلیے ہم ان جزئیات کو نظر انداز کرتے ہین،

دیوان کی قیمت ایک روپیہ ہے، اور نقیب پریس بدایون سے مل سکتا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ متوسط درجہ کا، اور ضخامت ۲۰۰ صفحے کی ہے،

سفرنامۂ روم و مصر و شام

مولنا شبلی مرحوم نے ۱۸۹۳ء مین ان ممالک کی سیاحت کی تھی، زمانۂ حال کے مسلمانون مین ممالک اسلامیہ کا یہ پہلا سفر تھا اور علماء کی صف مین دیکھا جائے تو یہ اب بھی پہلا سفر ہے، مولنا نے خالص علمی اور تعلیمی نقطۂ نظر سے یہ سفر کیا تھا، اور اس نگاہ سے اونکو جو کچھ نظر آیا اونھون نے اپنے سفرنامہ کے آئینۂ جہان نما مین اوسکو تمام و کمال دوسرون کو دکھایا، اس واقعہ پر آج تیس سال گذر گئے ہین، اس اثنا مین اور لوگون نے بھی ان ممالک کے سفر کیے اور اپنے اپنے سفرنامے شائع کیے مگر مواد کے لحاظ سے اب تک اس سفرنامہ کی اوّلیت مین کوئی فرق نہین آیا ہے، اسکے بیسیون اڈیشن بازاری مطبعون سے شائع ہوچکے ہین، مگر جس مسخ صورت مین وہ کتابون کو شائع کرتے ہین اوس سے اہل ذوق کی دلبستگی نہین ہوتی، اسلیے دار الاشاعۃ دار المصنفین نے اپنے مطبع معارف مین اسکا ایک اچھا اڈیشن چھاپ کر تیار کیا ہے، جن پسندیدہ مذاق اصحاب کو ضرورت ہو وہ طلب فرمائین، تاجرون کو ۲۵ فیصدی کمیشن، قیمت عہ

منیجر

مَطبُوعَاتِ جدیدہ

حکایات شرلاک ہومز، سر آرتھر کانن ڈائل اسوقت انگلستان مین ایک خاص قسم کی جاسوسانہ فسانہ نویسی کے بانی اور مخترع ہین، وہ جاسوسی اور سراغ رسانی کو محض بخت و اتفاق کے نتیجہ کے سپرد کرنا نہین چاہتے، بلکہ وہ استنباط، استقرار، علم قیافہ، علم آثار قدم، اور عام فہم انسانی کے استعمال اور چھوٹے چھوٹے معمولی واقعات کی کڑیان ملا کر اوس سے اہم نتائج کے اخذ کی حیرت انگیز مثالین پیش کرتے ہین، مصنف نے اپنی خیال آرائی اور جولان طبعی کے لیے شرلاک ہومز نام ایک غیر معمولی ذہانت کے فرضی جاسوس کو اپنا مستقل ہیرو قرار دیا ہے، جس کے کارنامے ڈاکٹر واٹسن نام اوسکے ایک دوست کی زبانی، معرض تحریر مین لائے گئے ہین،

پروفیسر فیروز الدین مراد، اب تک ہماری زبان مین بحیثیت ایک عالم حکمیات و سائنٹسٹ کے مشہور تھے، اون کے انتساب سے جب ان حکایات کا ترجمہ ہماری نظر سے گذرا تو فطرۃً تعجب ہوا کہ ایک شیدائے واقعیت حکیم کو ایک خیال آرا افسانہ نویس سے کیا مناسبت ہے؟ مگر کتاب کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ پروفیسر مراد نے اپنے دائرہ سے کچھ زیادہ دور قدم نہین رکھا ہے، پروفیسر مراد نے اس کتاب مین شرلاک ہومز کے ۲۵ مختلف کارنامے انتخاب کئے ہین، ہر کارنامہ ایک چھوٹا سا مستقل افسانہ ہے، ہر افسانہ درحقیقت نہایت دلچسپ ہے، اور مخصوص طریقہ جاسوسی کی بہترین مثال ہے، پروفیسر مراد کے ہم مشکور ہین کہ اونھون نے ہماری زبان کے افسانہ نویسون کے سامنے ایک نیا راستہ کھولدیا ہے، ترجمہ اکثر بامحاورہ اور سلیس ہے، پڑھنے والے کے ذہن پر

ترجمہ کا بار محسوس نہین ہوتا ہے، اگر کہین کہین یہ کمی رہ گئی ہے کہ مترجم نے انگریزی محاورون کا بعینہ اُردو ترجمہ کر دیا ہے، مثلاً متعدد مقامات پر آپ یہ پڑھینگے "وہ آرام کرسی مین بیٹھ گیا"، اردو مین کرسی پر بیٹھنا بولتے ہین، اسی قسم کی اور بھی ایک دو باتین آپکو ملین گی، تاہم عام طور سے ترجمہ صاف اور دلنشین ہے، صفحات ۳۰۲، لکھائی چھپائی متوسط، کاغذ معمولی، قیمت عہ، پتہ مسرز کیز اینڈ کو علی گڈھ،

خونابۂ عشق یہ بھی اوسی مشہور فسانہ نویس کی تصنیف اسکارلیٹ اسٹین کا ترجمہ ہے اور یہ ترجمہ بھی پروفیسر ممدوح ہی کے قلم کا ممنون احسان ہے، اسمین شرلاک ہومز کے ایک کسیقدر طویل کارنامہ کو قید تحریر مین لایا گیا ہے، حسب معمول نہایت دلچسپ اور بدیع الاسلوب ہے، ترجمہ کی خوبی قابل تعریف ہے، مگر زبان کے متعلق کہین کہین ہمکو شکایت ہے، انگریزی خوان اصحاب کا عربی املا ذرا غلط ہوتا ہے، اسی کتاب مین (صفحہ ۲۳) "منزہ" کو "منزا" لکھا گیا ہے، "سبابہ" کو "شبابہ" (۵۰) "سہراللیالی" کو "سحراللیالی" (۶۹) منطق کی اصطلاح استدلال "انی" کو "عنی" لکھا گیا ہے، اردو مین "تار" مذکر ہے مگر مترجم نے "تار دی" مونث استعمال کیا ہے، یہ چند فروگذاشتین کتاب کی دلچسپی اور ترجمہ کی خوبی مین حارج نہین، جو لوگ بدیع الاسلوب فسانون کی قدر کرتے ہین اونکو یہ ضرور پڑھنا چاہیے، صفحات ۱۶۸، قیمت عہ، لکھائی چھپائی متوسط، کاغذ معمولی، پتہ دار الاشاعت پنجاب ۱۹۵ ریلوے روڈ۔ لاہور،

محمد علی، محترم محمد علی صاحب کے جسقدر مجموعہ ہاے حالات اُردو مین شائع ہوئے ہین، یہ مجموعہ اون سب مین سب سے زیادہ مبسوط اور جامع ہے، اسمین جناب شوکت علی صاحب علیگ نے محمد علی صاحب کے بچپن، تعلیم، سفر ولائیت، نوکری، اخبارات کا اجرا، تعلیمی و سیاسی خدمات، سفر وفد خلافت اور یورپ مین اونکے کارنامے اور آخر کراچی جیل تک کے تمام واقعات

تفصیل سے لکھے ہین، تقطیع چھوٹی، صفحات ۱۱۵، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط، قیمت ۱۲ ر پتہ مقبول دار الاشاعہ لاہور،

دہلی کی جانکنی، ۵۷ء کے غدر دہلی کے واقعات اور افسانے جو ہمیشہ اہل درد کے لیے عبرت و بصیرت کے اسباق ہین، ضرورت تھی کہ ان اسباق کو کسی کتاب کی صورت مین جمع کر دیا جائے جناب خواجہ حسن نظامی نے اس کتاب مین غدر کی انگریزی تاریخون اور دلی کی معتبر زبانی روایتون کو فراہم کیا ہے، کتاب کا ہر صفحہ اپنے ناظرین سے آنسوؤن کے چند قطرون کا طالب ہے لکھائی چھپائی بہتر، کاغذ متوسط، قیمت ۸ء، خواجہ بک ڈپو، دہلی،

اسلام کی برکتین، یہ مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار کا ایک مضمون ہے جو رسالہ کی صورت مین شائع ہوا ہے مصنف نے اسمین اسلام کی علمی برکات گنائے ہین، مگر بیان مین تاریخیت سے زیادہ ادبیت نمایان ہے، قیمت ۳ ر، پتہ مشرقی کتب خانہ لاہور،

سبعہ سیارہ، حافظ محمد یعقوب صاحب آوج گیاوی کی سات مذہبی نظمون کا مجموعہ ہے، اور آج کل کے احساسات و مذاق کے مطابق ہے، مگر شاید صحیح لفظ "سبع سیارہ" ہو، قیمت ۳ ر پتہ ممتاز بکڈپو حلقہ، نمبر ۲۱، لاہور،

آئینۂ جمہوریت، اٹلی کے مشہور محب وطن جوزف میزینی، سیاسی ہونے کے ساتھ ایک ممتاز اہل قلم بھی تھا، اوسنے اپنے قلمی خیالات سے اٹلی کو متحرک کر دیا تھا، اور اوسکے متفرق اجزا کو یکجا کرکے اوسمین جمہوریت کی روح پیدا کی، آج جب ہندوستان اسی دور سے گذر رہا ہے، جناب احمد منصور صاحب سلیم کی یہ کوشش شکریہ کی مستحق ہے کہ اونھون نے میزینی کی ایک تحریر کا اردو مین ترجمہ کرکے شائع کیا ہے، اس تحریر مین میزینی نے، جمہوریت، حقوق، تعلیم، مقصد زندگی وغیرہ اہم اصلاحی مسائل پر باختصار اپنے خیالات ظاہر کیے ہین، قیمت ۴ ر پتہ مشرقی کتبخانہ لاہور،

عدد دوم	ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۲۲ء	مجلد دہم

مضامین